

حافظ میر فضل اللہ صاحب نے علم فرائض کے تمام مسائل و متعلقات کو پانچ رسالوں میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ اردو زبان میں تحریر کیا ہے، جس سے مصنف کی اس علم پر بڑی بالغ فطری اور مہارت تامہ ظاہر ہوتی ہے، متعدد نقشبند اور مجددولون کے ذریعہ سے ذوی الارحام کے حصوں کی تفصیل کی ہے، ترتیب اور طرز تحریر قانونی ہے، وکالت پیشہ حضرات کے لئے نہایت مفید ہوگا، مولوی میر عبدالرزاق وکیل درجہ اول حیدرآباد سے اسکے لئے مکتبہ کتب شریعہ دلیوان غالب، تمام شعراء اردو میں صرف مرزا غالب کو یہ فخر حاصل ہے کہ لوگوں نے انکے اردو دیوان کی شرحیں لکھیں، احاطہ، مطالب اور شرح معانی میں مولانا طباطبائی کی شرح گو سب سے بہتر ہے، لیکن اختصار، اجمال، اور صحت بیان میں مولوی حسرت موہانی کی شرح بھی اچھی ہے، یہ شرح اب چوتھی دفعہ شائع ہوئی ہے، آخرین بعض غیر مطبوعہ کلام بھی شامل ہے قیمت صدر دفتر اردو سے معالیٰ علی گڑھ،

رویت ہلال، پہلوانی کے سجادہ نشین خاندان کوہندوستان کی اکثر صوفی خاندانوں پر ایک مزیت یہ حاصل ہے کہ بیان علم و عمل، ظاہر و باطن، شرع و طریقت، پہلو بہ پہلو اور ہندوؤں کی صفائی ہونیکے ساتھ علوم ظاہری میں تبحر و کمال بھی یہاں ایک جز ضروری ہے، رویت ہلال کا مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہ ہے کہ آیا ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کیلئے معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ حضرت شاہ بدرالدین صاحب دامت فوضہ العلیا سجادہ نشین پہلوانی نے اس مسئلہ پر احادیث و روایات فقہ کی بنا پر محقق بحث کی ہے، موضوع، علماء کے التفات کے لائق ہے ہم بھی اس فرض کے ادا کرنے کی کوشش کریں گے، شعبان کا نمبر اسکے لئے خاص طور پر موزون ہوگا۔

دفتر معارف پہلوانی ضلع پیٹنہ سے طلب کیجئے،

جلد اول  
ماہ رجب ۱۳۳۵ھ مطابق مئی ۱۹۱۷ء  
عدویازدہم

مضامین  
Ahmad Raza Khan

- ۱۔ شذرات
- ۲۔ نامشروعین اردو سے خطاب
- ۳۔ ارض القرآن
- ۴۔ تصورات کلیہ
- ۵۔ فنون لطیفہ
- ۶۔ تربیت و تعلیم
- ۷۔ مسائل و فتاویٰ
- ۸۔ ادبیات
- ۹۔ مطبوعات جدیدہ

عبد الباقی

مرزا حسن علی

محمد علی

رموز فطرت، علوم جدیدہ کی متعدد شاخوں پر ابتدائی مسائل کا مجموعہ عبارت سلیس اصطلاحات عام فہم، عربی خوان اور نیز اردو دان اصحاب کے لیے معلومات کا سرمایہ، قیمت ۷۵ علم الانسان، انسانی سیاحت، اور انسان کے لیے اعضاء کے منافع و فوائد کے بیان میں ایک عمدہ رسالہ، قیمت ۸۰

نیکو دار المصنفین

اعظم گڑھ



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### شذرات

عربی میں مثل ہے کذب المبحمون وان صدقوا، منہم سچ بھی کہیں تو وہ جوڑے ہیں ہم نے سیرۂ بنوی کے اپریل شمارے میں شائع ہو جانے کی جو پیشین گوئی کی تھی آخر وہ بھی غلط نکلی لیکن اس غلطی کا ازراہ عنایت ہماری طرف انتساب نہ کیجئے، ہم جمہور شائقین اور صاحب مطبع کے درمیان ایک متوط کی حیثیت رکھتے ہیں، جو کچھ ان سے معلوم ہوتا ہے وہ آپس عرض کر دیتے ہیں، فردوسی اور تاریخ میں ہمارا ایک خاص آدمی کا پند میں رہا، اور جب ہم مطمئن تھے کہ اب اپریل آیا اور آپس کے ساتھ ہمارے دیرینہ خواب کی تعبیر نکلی، کہ دفعۃً یہ خبر آئی کہ اخیر فرمون کے لئے بنگال پریس کے کاغذ کی ضرورت ہے، دریافت کیا گیا تو لکھنؤ میں نہ مل سکا، اب کلکتہ کی طرف نظر ہے، کپنی کا اب تک جواب نہیں آیا ہے،

چند سال سے دیوبند کے مدرسہ عالیہ کے احاطہ میں دارالحدیث کے نام سے ایک عظیم الشان عمارت زیر تعمیر ہے، بعض بزرگوں نے نیک نیتی سے اس نام و نمود اور نمائش کی تعمیر کو دیوبند روایات اور رسوم قدیم کے خلاف سمجھ کر اعتراض کیا ہے، اس کے جواب میں ایک مطبوع رسالہ ہمارے پاس آیا ہے

سوال و جواب اور قال اقول سے قطع نظر کر کے سوال ہے کہ اگر ایک شہر میں ایک اسلامی سکول کیلئے کئی کئی ہزار روپیہ کی عمارت کی ضرورت ہے، تو کیا سارے ہندوستان کے لئے کئی ہزار اگر ایک عربی درگاہ کے لئے لگ جائے تو کیا نقصان ہے، اسلام کی عمر ہندوستان میں ایک ہزار برس ہی، اس تمام عمر میں اس وسیع خطہ ارض میں کبھی کوئی دارالحدیث قائم ہوا، حالانکہ اس گم عرصہ میں مصر و شام و فلسطین کو کوئی دارالحدیث کے قیام کا فخر حاصل ہے، اگر دیوبند کی یہ عمارت تکمیل کو پہنچ جائے تو ہندوستان کے ناصیہ اسلام سے بدنامی کا ایک بڑا داغ مٹ جائے،

تیئریوں کا کتبخانہ درحقیقت ایک عجائب خانہ تھا، علی گڑھ گزٹ سے معلوم ہوا کہ دلی کے ایک شخصی کتبخانہ میں جامع الاصول کا ایک قلمی نسخہ ہے جس پر سلاطین تیموری کی مہرین ہیں، نسخہ غرناطہ کتبخانہ سے بچ کچھ کر نکلا ہے اور جو جاہل پادریوں کے ہاتھ سے جلنے سے محفوظ رہ گیا ہے، بالکل پورے کتبخانہ میں بھی فن نباتات پر ایک قلمی نسخہ موجود ہے، جس کے متعلق بیان ہے کہ وہ غرناطہ کے باقیات صالحات میں ہے، اس نسخہ میں برہی خوبی یہ ہے کہ تمام نباتات کی تصویریں نہایت عمدہ اور خوش رنگ کھینچی ہیں، اور اس لحاظ سے وہ کتاب ایک غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے،

انگریزی زبان میں سلاطین تیموری کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اڈورڈ ہولڈن کی تاریخ اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ وہ انگریز مصنفین کے اغراض مفسدہ سے بہت حد تک پاک ہے، تاریخ کے صفحات کو مسلسل جنگ اور قتل و خونریزی کا میدان بنائے، اس میں کوشش نہیں کی گئی ہے، سلاطین کے اخلاق و عادات کی ہو بہو تصویریں بھی کھینچی ہیں،

جناب سید عبد السبحان صاحب تحصیلدار ریاست کدورہ نے اس کتاب کا سلیس اردو میں



کامیابی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے، اگر کوئی پابشر صاحب اس کتاب کو اپنی طرف سے شائع کرنا چاہتے ہوں تو ترجمہ سے مراسلت کریں،

❦

اس ترجمہ میں ایک واقعہ ہم نے نہایت دلچسپی سے پڑھا، ترک باری کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ بابر مولانا عبد الرحمن جامی کا نہایت متقدّم تھا، چنانچہ ہرات کے ذکر میں بابر اپنے جذبہ اعتقاد کو محض نہ رکھ سکا، لکھتا ہے:

”ہرات میں ایسے نامور اور ممتاز لوگوں کا مجمع تھا جو فضل و کمال میں اپنا نانی نہیں رکھتے تھے، ان میں ہر ایک کی علمی بلند حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ جس فن کی تحصیل کرتے تھے اسکو درجہ کمال تک پہنچا کرتے تھے، انہیں میں مولانا عبد الرحمن جامی تھے جو منقول اور مقول دونوں میں یکساں روزگار تھے، انکا کلام شہور اور انکے ذاتی اوصاف ایسے اعلیٰ و ارفع تھے کہ میں انکے قلمبند کرنے سے قاصر ہوں، مجھکو نہایت فکر تھی کہ انکا ذکر خیر کسی نہ کسی موقع سے کروں، چنانچہ انکے فضائل حمیدہ کا اشارہ ان ناچیز اوراق میں تینا و تبر کا کر دیا۔“

تم جانتے ہو کہ بابر کون ہے؟ وہ ہی جس نے کابل و ترکستان کی پہاڑیوں کو اپنے زور قوت سے الٹ پلٹ دیا، ہندوستان کے ایک لاکھ ٹڈی دل کو بارہ ہزار سپاہیوں سے کاٹ کر ڈال دیا، لیکن اس شہر زور کی تلوار صرف ایک بوریانہ نشین درویش کے سجادہٴ قلم سے شکست کھا گئی، اپنی اس عاجزی اور درماندگی کا وہ خود اعلان کرتا ہے،

درویشان را اگرچہ نہ از ویشا نیم  
لیک از دل و جان مستعد الشانیم  
دواست، گوئی، شاہی از درویشی  
شاہیم دے بندہ درویشا نیم

اسلام کو اپنے ان بندہ نما بادشاہوں پر ناز ہے اور بجاناز!

دسمبر ۱۸۵۷ء کی اردو کانفرنس کے اجلاس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اگر ان اغراض مقاصد کے ساتھ کوئی مجلس قائم ہو تو ملک اس کے خیر مقدم کیلئے ہمہ تن تیار ہے، مسئلہ گذر گیا، اب مسئلہ ہے کیا اس سال بھی کچھ چیل پیل کی امید ہے یا داتا ہے کہ عین اجلاس کے موقع پر کلکتہ کے ایک مسلمان سیٹھ آئندہ سال کی دعوت کلکتہ میں دے گئے تھے،

اردو کانفرنس کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جن اصحاب کا انتخاب ہوا تھا، وقت سے پہلے لکھنؤ میں کسی تاریخ میں اگر انکا اجتماع ہو سکتا تو خوب تھا، پینٹ کشن پرشاد صاحب کو ان کے سکریٹری طور پر مقرر کیا گیا۔

❦

دارالمنصفین کا لکھنا ابھی بہت کم سرمایہ ہے، ایک دو صاحب نے اسکی توسیع و ترقی کی عملی کوشش بھی شروع کی، الفضل للمتقہ کی حیثیت سے ہم سب سے پہلے اپنے دوست غلامی محمد امین صاحب ہتھم تاریخ بھوپال کے شکر گزار ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس فرض کو ادا کیا، یہ کتابیں زیادہ ترقی کی ہیں

❦

اکثر اخبارات میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی تجویزیں پیش کی گئی ہیں، بعض حضرات نے ازراہ عنایت اس تجویز کے عمل میں لانے والی جماعت کے سلسلہ میں خاکسار کا نام بھی لیا، اس تجویز کی اہمیت اور ضرورت میں کوئی شک نہیں، یہ نہ صرف ایک خشک علمی خدمت ہوگی بلکہ بہت حد تک ہندوستان کی دو عظیم الشان آبادیوں کو انکی غلط کاریوں پر تنبہ کرنیوالی بھی ہوگی، ہم نے دارالمنصفین کا جو نظام عمل مرتب کیا ہے، اور جسکا ایک خاکہ ستمبر ۱۸۵۷ء کے معارف میں چھاپا گیا تھا، اس تجویز کے متعلق اس میں حسب ذیل فقرے تھے،

”اس سلسلہ کے اختتام کے بعد ہندوستان کی ایک محقق اور مستند تاریخ کا مسئلہ ہے۔“

اس بنا پر دارالمنصفین کیلئے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ صرف فرصت کی دیر ہے،



## دارالاقامہ ندوۃ العلماء صوبہ اودھ کا فرض

قوم اگر آج ہنیں سمجھتی تو کل سمجھگی کہ ترقی کا کیا مفہوم ہے، اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ اپنے انگریزی تعلیم کا امتحان کر لیا، انگریزی کالجوں کے نتائج دیکھ لئے، اب اللہ! خدا مذہبی احساسات اور مذہبی معاد علی کے معجزات کی آزمائش بھی کر لیجئے، ہم جانتے ہیں کہ آپ جواب میں انہی تعلیم جدید کے چند ممتاز افراد کے حیات دینی کا حوالہ دینگے، لیکن آپ دیکھا کہ اس جسم میں روح کیونکر پیدا ہوئی؟ سنگسار چھتاں کیونکر نکلیا، خنزف میں لعل گوہر کے خواص کہاں سے آئے؟ اس کا جواب صرف ایک فلسفی مذہب! اس سئل الحاد پرستی میں اس طوفان بے دای مذہبی میں، ندوہ پہلی آواز تھی جس نے کشتی شکستگان اسلام کو سب سے پہلے ساحل کا پتہ دیا، تاہم یہ کس درجہ افسوسناک امر ہو کہ دور کے مسافروں نے نہایت عجلت اور ہشیاری سے اس آواز کو لپیٹ کر کہا، اور قریب کے مسافر خواب بیدار تک نہوے، ندوہ کو پنجاب کی ایک ریاست پچاس ہزار دیا، دکن کی اسلامی حکومت نے ماہانہ مقرر کیا، ہندو سٹی کی ایک مسلمان رییس نے شاہانہ ماہوار امداد سے دریغ نہ کیا، ہندوستان کی انتہائی اسلامی آبادی مدراس نے تاسیس دارالاقامہ کا بیڑا اٹھایا، لیکن اودھ کا صوبہ جسکی سرزمین پر وہ رحمت کا مجسمہ کھڑا ہے، وہاں اسکی طرف ابھی تک انگلی بھی نہ ملی،

علی گڑھ کالج کے وسیع البواب داخل میں گودور دراز صوبوں کا بڑا حصہ ہی تاہم روسا علی گڑھ کی فیضی اسکی مالی ستون کا پہلا سنگ بنیاد ہی، دیوبند گولڈکے گوشہ گوشہ سے خراج وصول کرتا ہی تاہم اسکی باجگزار ریاستیں اسکے قریب ہی کے ضلع میں واقع ہیں، ندوہ اودھ کے ایک ایک رئیس کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن ہر جگہ جواب میں آگے بڑھنے کی آواز تھی، اودھ کے مسلمان روسا نے موجودہ جنگ کے فرائض سمجھ کر لاکھوں روپے قرض میں لگا دیے، لیکن کیا ان میں ایک بھی خدا کو قرض لگانے کے لئے آمادہ ہے؟

## ناشرین اردو خطاب ایک چھوٹی سی بات

اردو زبان کی عالمگیری کا غلغلہ ہم نے اس زور شور سے بلند کیا ہے کہ مخالفین کو بھی ہماری راست بیانی کا یقین آچلا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ ہمارا دعویٰ غلط نہیں، لیکن اس دعویٰ کی شہادت اگر طلب کی جائے تو ہم کیا پیش کر سکتے ہیں؟ ایک دلیل تو نہایت آسان ہے دیکھو کلکتہ، ممبئی، مدراس، رنگون ہر جگہ بازاروں میں سوداگر اور اسٹیشنوں پر قلی ہماری زبان نہایت اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور بول لیتے ہیں، لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ زبان کی جغرافی وسعت کا بیان ہے، خود زبان کی معنوی وسعت کا کیا ثبوت ہے؟ اسوقت تم کو اردو کی تصنیفات، اردو کے رسائل اور اردو کے عام مطبوعات کا جائزہ دینا ہوگا، لیکن اس ثبوت کے حصول کے لئے تم کہاں کہاں کی خاک چھانو گے، تمام اخبارات کے فائل الٹ پلٹ ڈالو گے، ماہوار رسالوں کا ورق ورق ڈھونڈ ڈالو گے، لیکن مقصد میں کامیابی نہوگی،

اس ناکامی کا یہ سبب نہیں کہ اردو تصنیفات کا تازہ ذخیرہ مہیا نہیں ہوتا بلکہ اصلی سبب یہ ہے کہ اسکی واقفیت کا ہندوستان میں کوئی سامان نہیں، انگریزی میں اتنی پیغم ایک مخصوص ماہوار رسالہ صرف مہینہ کے جدید مطبوعات کے نقد و ذکر میں لندن سے شائع ہوتا ہی، ٹائمز کا مہینہ وار علی ضمیمہ شاید اکثر لوگوں نے دیکھا ہوگا، جس میں ہر مہینہ انگریزی میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں انکا تذکرہ اور دیوبند ہوتا ہے، اول درجہ کی کتابوں پر تفصیل تنقید ہوتی ہے اور دوم درجہ کی کتابوں کا مختصر تذکرہ ہوتا ہے، مہر کے بیسیوں رسالے نظر سے گزرے، لیکن کوئی رسالہ ایسا نہیں دیکھا جس میں مطبوعات جدیدہ و مخطوطات یا سید علم کی سرخی سے مہینہ کے تمام عربی مطبوعات کا ذکر نہ ہو، اسوقت ہمارے سامنے



# مقالات

## ارض القرآن

ارض القرآن کے نام سے جس کتاب کا اشتہار آپ ایک دستے پر پڑ رہے تھے، وہ اب

پریس سے نکل کر دفتر المصنفین سے شائع ہو گئی،

چونکہ اکثر صاحبوں کو اس موضوع کی تفصیلی حالت سے واقفیت نہ تھی، اسلئے مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ کتاب کا ویساچہ بچف و اضافہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

آج مسلمانوں کا وطن تمام دنیا ہے، تاہم مولد اسلام، موطن رسالت، مہبط قرآن دنیا کا صرف ایک

ہی گوشہ ہے، عرب، جسکو مادی زرخیزی کی محرومی نے اگرچہ کھیتی کی زمین، "وادی غیر ذی زرع" کا خطاب

دیا ہے، لیکن بسکی روحانی سیر حاصل کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ آج دنیا میں جہاں بھی روحانی کھیتی کا کوئی

سربرقہ موجود ہے اسی کشت زار الہی کے آخری کسان کی تخم ریزی و آب سیری کا نتیجہ ہے،

اس مہبط وحی قرآنی اور موطن اول اسلام کی تقدیس اس بوڑھے پیغمبر (ابراہیم) کے نام سے

جس نے اپنے جوان بیٹے (اسماعیل) کے خون سے اس "بن کھیتی کی زمین" کو سیراب کرنا چاہا، جسکی سیرابی گروں کے

خون سے قدر نہ تھی بلکہ دل کے خون سے تھی، جب دل کا خون آپس پر سا تو یہ شور اور بے حاصل قطعہ حسب

پیشگوئی سابق اہلما اٹھا،

ذائقہ مثلہم فی التورۃ و مثلہم فی الانجیل، کوزع

بیردان محمد کی مثال توراۃ و انجیل میں یہ ہے کہ وہ ایک

اندر شیطا لاخارہ خلافت حفظا ستون علی سوق۔

کھیتی ہے جکا دنٹھل نکلا، مضبوط ہوا تنہ پر کھڑا ہوا کھٹکا

یحب الزہد لیخبطہم الکفار، (انفع)

دیکھ کر خوش ہوں، کافر غمزدہ ہوں،

اس زمین کے اکثر حصہ کی مادی شوری دے جاتی حکمت الہی کا مقتضای تھی کہ سلاطین عالم کے

دشمن کا ایک رسالہ المقتبس رکھا ہے، اسکے صرف ایک نمبر میں ۹ کتابوں اور رسالوں پر لکھا

آج کل ممالک متحدہ کی حکومت نے اپنی تعلیمی روداد بابت ۱۵۰۰ شائع کی ہے، اس میں اردو کتابوں کا ذکر

جس قلت تعداد اور کم اہمیتی کے ساتھ کیا گیا ہے وہ اردو کے دوستوں کے لئے نہایت ہمت شکن

اسی کے پہلو بہ پہلو ہندی کتابوں کی تعداد قابل رشک ہے،

ہندوستان میں ناشرین (پبلشر) اور مصنفین اردو اپنی تصنیفات کو ذکر و نقد کے لئے

اخبارات اور رسائل میں بھیجنے کے عادی نہیں ہیں، کیونکہ اگر اخبارات و رسائل میں ۲۵ نسخے

بھی وہ تقسیم کریں تو ۲۰-۱ روپیوں پر پانی پھر جاتا ہے، اور یہ وہ رقم ہے جسکے ضائع اور تلف ہونیکو آسانی

گوارا نہیں کیا جاسکتا اور گوا اسکے مقابلہ میں انکو خریداروں کی دینی تعداد ہاتھ آجائے، لیکن بہر حال اس فحش

اب اسکے نقصانات پر خیال کیجئے، ایک تو کتابت میں بکتی کم ہیں، شاید ہی کوئی کتاب اردو میں

۶۰۰ سے زیادہ چھپتی ہے اور وہ بھی سا لہا سال میں نہیں نکلتی، اس ناشرین اور مصنفین کے دوسری

کتابوں کے چھپوانے کی ہمت نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ مصنفین کو اپنے غیب ہنر کا علم نہیں ہوتا

کتابوں کے قدر و مراتب کی تفریق نہیں کی جاسکتی، تیسرے یہ کہ تصنیف سے مقصود ملک کے خیالات کی اصلاح و

توسیع ہی اور وہ اسلئے حاصل نہیں ہوتی کہ کتاب میں ایک گوشہ سے چھپکر دوسرے گوشہ میں پڑ جاتی ہیں، ملک کے خبر بھی نہیں

معارف میں آغاز سے تقریظ و فتاویٰ اور مطبوعات جدیدہ کے عنوان قائم ہیں اور کمتر کوئی نمبر

ایسا ہوگا جس میں یہ فرض علی ادا نہ ہوا ہو، لیکن شکل یہ ہے کہ اول درجہ کی کتابیں ریویو کیلئے اس غور سے

نہیں بھیجی جاتیں کہ بہر حال انکی خریداری ریویو پر موقوف نہیں، پھر چند روپیوں کا بھی خون کیوں گوار کیا

جائے؟ دویم اور سویم درجہ کی کتابیں جو آتی ہیں انکی مبالغہ آمیز مدح و ستائش سے قلب حقیقت نہیں

کیا جاسکتا، اگر ہمارے ناشرین اور مصنفین ادھر التفات کریں تو معارف آئینہ نہیں ٹانمڑ کا

ضمیمہ علی نہیں، لیکن دشمن کا مقتبس تو ہو سکتا ہے،



دست حرص و جوس سے اس ارض مقدس کی عصمت مصئون رہے، اور دست انسانی کے تمدن و صنعت کی سیاہی سے اسکی لوح، سادہ و پاک و فطری تاکہ خود خطم اللہ صرف اپنے حروف و خطوط سے اسکی نگکاری کر سکے، اور خدا کا خزانہ جو اس کھنڈر میں دفن تھا پیغمبر مذہب فطری کے وجود تک محفوظ رہے۔

## تاریخ ارض القرآن

سرزمین قرآن (عرب) کی تاریخ جس قدر بعد القرآن یعنی بعد از اسلام روشن ہو اسی قدر قبل القرآن یعنی قبل از اسلام تاریک ہے، قرآن مجید نے بڑھیل عبرت و اظہار واقعہ ملک عرب کے متعدد اقوام و اشخاص و انبیاء کے حالات مجمل بیان کئے ہیں، لیکن عرب کی قوم تصنیف و تالیف سے آشنا نہ تھی، اسلئے ان اقوام و اشخاص و قبائل ملک کے تاریخی، سیاسی، قومی، مذہبی اور جغرافیہ حالات کے بیان و تفصیل کی بنیاد مسلمان مصنفین نے صرف بے احتیاطانہ زبانی روایات پر رکھی ہے لیکن اہل یورپ ان کے مقابل یونانی و رومانی سیاحون اور جغرافیہ نویسوں کے تحریری بیانات اور عرب کے آثار قدیمہ و کتبات پیش کرتے ہیں جو ہزار بانی روایات سے ظاہر ہے کہ کہیں صحیح تراخذ ہیں، اس بنا پر انھوں نے عرب قبل قرآن کی تاریخ کے متعلق بالکل نیا عالم پیدا کر دیا ہے جو انکی نظر سے علی الاکثر قرآن مجید کے بیان اور عرب کے زبانی روایات نے عرب کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے مختلف ہو اور اسلئے انکو اس میدان میں اعتراضات کا بڑا جولا نگاہ نظر آتا ہے اس تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ تطبیق معلومات قدیمہ و جدیدہ ارض قرآن (عرب) کے حالات مذکورہ کی اس طرح تحقیق کی جائے کہ قرآن مجید کی صداقت اور مصنفین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہو جائے اس موضوع کی اہمیت و ضرورت سے شاید کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا، قرآن مجید میں عرب کے بیسیوں اقوام اور بلاد و مقامات کے نام ہیں جنکی ہر قسم کی صحیح تاریخ سے نہ صرف عوام بلکہ علماء تک ناواقف ہیں اور نہایت عجیب بات یہ کہ تیرہ سو برس میں ایک کتاب بھی مخصوص اس فن پر نہیں لکھی گئی، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف خود مسلمانوں کو ان حالات سے ناواقفیت رہی، اور دوسری طرف غیر مسلم انسانیانہ مہر و

مکنے کی جرأت ہوئی، تو رات میں ہزاروں اشخاص، اقوام، بلاد اور مقامات کے نام ہیں جو طاول زمانہ اور تیسرا سنہ کی بنا پر مچھول اور ناپدید ہو گئے ہیں لیکن علماء نصاریٰ کی ہمت سزاوارا فرین ہے کہ وہ ارض تورات Land of Bible اور انسائیکلو پیڈیا آف بابل کے ذریعہ سے ۳۰۰۰ ہزار برس کے مرہ نام اپنی سمجھت سے زندہ کر رہے ہیں،

قرآن مجید میں بیس تیس اقوام و اشخاص سے زیادہ نہیں، تاہم انکی تحقیق کیلئے مخصوص طور کبھی کوشش نہیں کی گئی، عموماً یہ مباحث تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے یا تاریخ عمومی میں مقدمہ کے طور پر مذکور ہوئے، حالانکہ اسکی اہمیت، تخصیص و افراد کی محتاج تھی،

مقام عبرت ہے کہ ہماری مذہبی کتاب کی تحقیق و کاوش میں بھی غیر نہایت کوشش و جانفشانی مصروف ہیں، جرمن، فرینچ، آلمین اور انگلش مستشرقین نے تاریخ قبل اسلام پر محققانہ کتابیں لکھیں، یونانی و رومانی تصنیفات سے جو عرب قبل اسلام کے حالات سے پر ہیں، انتخاب و خلاصہ کیا، قرآن مجید نے جن اقوام و بلاد کا ذکر کیا ہے، انکے کھنڈروں کا مشاہدہ کیا، انکے کتبات کو حل کیا اور انے عجیب و غریب نتائج مستنبط کیئے،

تاہم وہ مسلمان نہیں، یہودی یا عیسائی ہیں، انھوں نے نہایت بیدردی سے قرآن کے فوائد کو پامال کیا ہے، بعض متعصب مستشرقین نے ان معلومات کو غلط طور سے قرآن کی مخالفت میں استعمال کیا ہے، اٹھارہویں صدی کے وسط میں ریونڈ فارسٹر Forster نے عرب کا تاریخی جغرافیہ Historical Geography of Arabia لکھا، جس میں اس نے اپنی عالمانہ جہالت کے عجیب و غریب نمونے پیش کیئے، جنکو پڑھ کر ہنسی اور کبھی رونا آتا ہے، لیکن کیا کیجئے کہ ہماری غفلت سے وہ قرآن کی صداقت تاریخی کا معیار رہے بعض پادری قرآن کے تاریخی غلط پیش کرتے ہیں لیکن انکو پیش کرتے وقت افسوس ہے کہ تورات جسکو ہم معیار صحت سمجھتے ہیں بھول جاتے،



تصدیق ہوتی ہے، کوئی اور اخذ نہ تھا، یہ تمام کتابیں انگریزی زبان کی ہیں، جو یا اصلاً انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں، یا جرمن اور فرینچ سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہیں،

ارض القرآن کے لئے تورات کی واقفیت نہایت ضروری تھی، تورات کے اردو فارسی، عربی اور انگریزی تراجم میرے پیش نظر تھے، لیکن ناموں کے تلفظ اور فقروں کے ترجمہ میں اس کثرت ان میں اختلاف بلکہ تضاد نظر آیا کہ خود اصل عبرانی کی طرف توجہ کرنی پڑی، اور تین مہینے کی تعلیم میں اصل کی طرف مراجعت ایک حد تک آسان ہو گئی، سبا و حمیر کے کتبات بھی عبرانی خط میں شائع کئے گئے ہیں، اور زبان بھی تقریباً ما بین عربی و عبرانی ہے، یہ قلیل حرف شناسی اس مہم میں بھی کام آئی، اقوام و بلاد کے صحیح مقامات کی تعیین کے لئے متعدد نقشوں کی ضرورت تھی، اس فن میں

باجوہ بے بضاعتی کے اس خدمت کو نہایت محنت سے خود انجام دینا پڑا،

ان اجزاء کی ترتیب میں پورے تین برس صرف ہوئے، لکھنؤ میں دفتر سیرۃ نبوی کا جب میں اسسٹنٹ تھا تو اس موضوع کا خیال آیا، بلکہ اصل میں سیرۃ نبوی کے دیباچہ ہی کے طور پر اس کے لکھنے کی تحریک ہوئی، لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا میدان زیادہ وسیع اور کشادہ نظر آتا گیا، تا آنکہ یہ بالکل مستقل ایک شے بن گئی،

قرآن مجید میں جن ملکوں، شہروں اور قوموں کے نام یا حالات ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جنکو اسی ارض مقدس سے تعلق ہے، اور جو اسی ارض مقدس میں واقع ہیں، اور دوسرے وہ جو اس سے باہر ہیں، اس حصہ کا تعلق سابق الذکر اقوام اور بلاد سے ہے، جغرافیہ کا حصہ تو ہمیں مکمل ہے، عرب کی قومیں تین مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں، ابتدائی سائین قومیں جنکو عرب بالحدہ کہتے ہیں، اور بنو قحطان اور بنو اسماعیل، چاہئے تو یہ تھا کہ ان تینوں خاندانوں کے حالات ایک ہی حصہ میں ہوتے، لیکن ایک تو اس بنا پر کہ لکھنؤ کے پریس سے تعلقات کو منقطع کرنا تھا

نولڈ کی Noldki نے عمالقہ و عاد کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ غیر تاریخی قومیں ہیں، و لکن A. W. Wellmann اور رابرٹس اسمتھ Robert Smith عرب کے ادعاے نسب کا انکار کرتے ہیں، عرب کے بعض اثری اکتشافات کی بنا پر بعض سبک مصنفین یورپ بھرات کہتے ہیں کہ عرب قبل القرآن، عرب بعد القرآن سے ہزار درجہ بہتر ہیں لیکن سینٹ میلیر ایک فرینچ مستشرق نے نہایت خوب جواب دیا ہے، کہ اگر یہ صحیح ہوتا تو قرآن، عام ابتدائی تعلیمات تمدن اور کم از کم محرمات نکاح کے بیان کی تکلیف گوارا نہ کرتا،

ان آثار قدیمہ کے اکتشاف نے ادیان عرب قبل اسلام کے معلومات میں نہایت سخت انقلاب پیدا کر دیا ہے، جن سے اسلام کے مناقب و فضائل کا نیا باب پیدا ہو گیا ہے،

بہر حال نہایت ضرورت تھی کہ ہمارے دشمن جن جدید معلومات کو ہماری مخالفت میں ضرر کر رہے ہیں، ان سے اپنی موافقت کے پہلو پیدا کئے جائیں،

عہد قدیم میں مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ اعتقادات تھے، لیکن اس عصر جدید میں جب ہمارے مخالفین عقائد اسلام کی مضبوطی کا امتحان کر چکے ہیں، انھوں نے یہاں سے ہٹ کر تاریخ و تمدن کے میدان میں مورچے قائم کئے ہیں، ضرورت ہو کہ جس طرح ایرانی و ہندی مورخین کے مقابلہ میں ابن خلیفہ دینوری المتوفی ۳۸۵ھ، ابن قتیبہ المتوفی ۳۸۵ھ اور ابن جریر طبری المتوفی ۳۲۰ھ نے تاریخ اسلام و قرآن کی تحقیق و تطبیق میں کوشش کی، اس زمانہ میں جدید یورپین تاریخ کی تاریخ اسلام و قرآن سے تطبیق دیجائے، اور یورپین تاریخی تحقیقات و اکتشافات کی غلطی کا پردہ چاک کیا جائے اور خود انھیں کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے ان کے حملوں کا جواب دیا جائے،

ان وجوہ سے علاوہ کتب تفسیر جغرافیہ اور تاریخ اسلامی کے جدید یورپین تصنیفات بھی حوالہ دینا پڑا، کہ انہما علیقہ عرب اور یونانی در دمانی تصنیفات کی دریافت کا جن سے قرآن کی ہر جگہ



## تصوّرات کلیہ

گذشتہ معروضات کے بعد حسب وعدہ برکے کی مشہور اور معرکہ الار کتاب مبادی علم انسانی کا (جس میں اُسے ثابت کیا ہے کہ ذہن یا نفس سے باہر کسی مادی کائنات کا مطلق وجود نہیں) مقدمہ پیش ہے۔ چونکہ فلسفہ کے کثیر التعداد مسائل کی بنیاد کلیات یا مجردات پر ہے اور برکے کے نزدیک کلیات کے وجود ذہنی کا عالمگیر اعتقاد ہی حقیقت رسی کی راہ کی سنگین دیوار ہے، خود وجود مادہ کا عقیدہ کلیات و مجردات ہی کے غلط عقیدہ کا نتیجہ ہے، اسلئے اُسے اس مقدمہ میں پوری قوت تفصیل کے ساتھ اس کا ابطال کیا ہے۔

برکے پر ایک مستقل کتاب راتم ہذا کے زیر تحریر اور قریباً ختم ہے، جس میں اصل کتاب مبادی علم انسانی بھی شامل ہوگی۔ اس مقدمہ کو اُس کے نمونہ اور مقالہ تصورات کلیہ (جو پچھلے نمبر میں شائع ہو چکا ہے) کے تتمہ کے طور پر بدینہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

۱۔ چونکہ فلسفہ نام ہی ہے عقلیات و حقائق کے مطالعہ کا، اس بنا پر بجا طور سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جن لوگوں نے اپنی عمر اور محنت کا بیشتر حصہ ایمن صرف کیا ہو، اُن کے نفس کو زیادہ سکون اور طمانیت میسر ہوگی، اُن کا علم زیادہ روشن اور جلی ہوگا، اور دوسروں کی بہ نسبت اُنکو شکوک اور مشکلات سے بہت کم پریشان ہونا پڑتا ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جاہل اور معمولی سمجھ کے آدمی جو راستے گلی میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، اور جنکی زندگی احکام فطرت کے ماتحت ہے، وہ بہت زیادہ مطمئن اور دماغی انتشار سے آزاد ہوتے ہیں، ان کو روزمرہ کی چیزوں میں کوئی شے ناقابل توجہ اور غیر الفہم نہیں معلوم ہوتی، اُن کو اپنے حواس کی شہادت میں کسی قسم کے نقص کی کبھی کوئی شکایت نہیں ہوتی، اور اسلئے وہ تشکیک کے تمام خطرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی حسی اور طبعی میلانات کی نہائی

دوسرے اسلئے کہ اُسکی ضخامت بہت بڑھ جاتی، اور زیادہ تر اسلئے کہ جس کا غڈ پر یہ کتاب چھنی شروع ہوئی تھی وہ بمشکل اور بہت گران قیمت کو مل سکتا تھا ۲ اسلئے بنو اسماعیل کا حصہ اس سے علیحدہ کر کے دوسری جلد کر دی گئی،

جن انگریزی کتابوں اور مصنفوں کے نام اس میں آئے ہیں، ابتداء میں نے چاہا تھا کہ اُن کے صفحات میں اُنکو رو من حروف میں لکھ دیا جائے، چنانچہ اسی تجویز کے مطابق کتابت اور چھپائی شروع ہوئی، لیکن بعد کو ثابت ہوا کہ صحیح اور خوبصورت طریقہ سے لیتھو میں یہ انجام پانا مشکل ہے، ان وقتوں کے سبب انگریزی ناموں کو فارسی حروف میں لکھنا یا ترجمہ اور کہیں صرف مصنف کے نام پر اتقا کیا گیا، اور یہ قرار دیا کہ ٹائپ میں تصنیفات اور مصنفین کا نام چھپو اگر ملحق کر دیا جائے گا، چنانچہ ایسا کیا گیا، لیکن وہ اب تک تیار ہو کر نہ مل سکا، اور اب صرف اس کے لئے کتاب کی اشاعت کو روک دینا مناسب نہ سمجھا گیا، چند ہینوں کے بعد جب دوسری جلد شائع ہوگی تو یہ فہرست ملحق کر دی جائیگی، کتاب میں حسب دستور راج مطبع کی غلطیاں کم نہیں ہیں حالانکہ پروف دیکھنے میں کمی نہیں کی گئی،

اردو میں یہ کتاب اپنی نوعیت کی پہلی ہے، اور اگر سرسید کی خطبات احمدیہ کے بعض خطبوں کو اس موضوع کے اندر داخل کر لیا جائے تو دوسری ہوگی، تاہم مجھے اعتراف ہے کہ اُسکو اس سے بہتر طریقہ سے انجام پانا تھا، لیکن سعدی کی رائے بھی سن لینا چاہیئے،

کار دنیا کے تمام نکر



سے الگ ہو کر کسی برتر اصول یعنی عقل کی روشنی میں ہم چیزوں کی ماہیت کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو جن چیزوں کی نسبت خیال تھا کہ اچھی طرح سمجھی ہوئی ہیں، انکی بابت ذہن میں ہزاروں شبہات و توہمات پیدا ہو جاتے ہیں۔ حواس کی لغزشیں اور خطائیں ہر جانب سے بے نقاب نظر آنے لگتی ہیں اور جب عقل و قیاس سے ان حواسی لغزشوں کی ہم تصحیح کی کوشش کرتے، تو نادانستہ طرح طرح کی دشواریوں اور تناقضات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جس نسبت غور و تامل بڑھتا جاتا ہے اسی نسبت سے ان دشواریوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ آخر کار ان پیچیدہ حیرانہ نہیں سرگردانی کے بعد اپنے کو وہیں پاتے ہیں جہاں تھے، یا اس سے بھی بدتری میں اور ناچار تشکیک کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔

۲۔ اسکا سبب یا تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں کی حقیقت تک ہم پہنچنا چاہتے ہیں وہ فی نفسہ نہایت پیچیدہ ہیں، یا پھر یہ کہ ہماری سمجھ کا قصور ہے، اور وہ فطرتاً حقائق رسی کے ناقابل خیال کیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس قوتیں بہت کم ہیں، اور جو کچھ ہیں ان سے فطرت کا منشا جن زندگی کی حفاظت اور مسرت ہے نہ کہ چیزوں کی ساخت اور کنہ کا انکشاف۔ اس کے علاوہ چونکہ انسانی عقل محدود ہے، ایسے جب وہ ایسی چیزوں سے بحث کرتا ہے، جو کسی نہ کسی حیثیت سے ناقابل تحدید ہیں، تو کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایسے مستحیلات و مناقضات میں پھنس جاتا ہے، جن سے رہائی نہ مل سکتی ہو جاتی ہے، کیونکہ نامحدود شے کی حقیقت ہی میں یہ داخل ہے کہ محدود شے کی گرفت فہم میں نہ آ سکے۔

۳۔ لیکن شاید اپنی ذات کے ساتھ یہ نہایت نامعصفانہ طر فذاری ہوگی کہ قوی کے غلط استماع کے بجائے سارا الزام اُن کے نقص و ضعف کے سر تھوپ دیا جائے۔ کیونکہ یہ ماننا نہایت مشکل ہے کہ اگر صحیح اصول سے ٹھیک ٹھیک نتائج نکالے جائیں تو وہ کبھی بھی ایسے عواقب تک منتہی ہونگے جنکا اثبات اور باہمی تطابق ممکن ہو۔ ہکویقین کرنا چاہیے کہ بنی نوع انسان کے ساتھ خدا کا سلوک

اس سے بہت زیادہ فیاضانہ ہے، کہ وہ ہمارے اندر ایسی چیزوں کے علم و انکشاف کی قوی خوش پیدا کر دے جو ہماری پہنچ سے باہر ہیں۔ ایسا کرنا عادت خداوندی کے سر اسر خلافت تھا، کیونکہ وہ جب اپنی مخلوقات میں کوئی خواہش ودیعت کرتا ہے، تو ساتھ ہی اُس کے استیضائے اور تسکین بخشی کے وسائل بھی مہیا کر دیتا ہے، جنکا اگر صحیح استعمال کیا جائے، تو کبھی ناکامی نہیں ہو سکتی۔ حیثیت مجموعی میں یہ خیال کرنے پر مجبور ہوں کہ اگر سب نہیں، تو بہت بڑا حصہ ان شکلات کا، جو اب تک فلاسفہ کا سر دھجپی اور حقیقی علم کے لیے سنگ راہ رہی ہیں، خود ہمارا زائیدہ ہے۔ پہلے ہم نے گرد و غبار کا طوفان اٹھا دیا پھر شکایت کرتے ہیں، کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

۴۔ لہذا میرا پہلی کام یہ ہے کہ سب سے پہلے اُن اصولی باتوں کو معلوم کرنے کی کوشش کروں جنہوں نے یہ سارا اشتباہ اور بے تعین پھیلا رکھی ہے، اور جو فلسفہ کے مختلف مذاہب میں موجب تناقض ہیں، یہاں تک کہ عاقل ترین انسانوں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہماری قوتوں کی خلقی بلات اور محدودیت کی وجہ سے ہمارا اہل ہمیشہ کے لیے ناقابل علاج ہے۔ پس علم انسانی کے مبادی اولیہ کی تحقیق اور ہر پہلو سے انکی چھان بین یقیناً ایک ایسا کام ہے جو ہماری محنت اور جانفشانی کا پورا پورا حقدار ہے، خصوصاً جب یہ سمجھنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ وہ شکلات و عواقب جو حقیقت جوئی کی راہ میں حائل اور ذہن کے لیے باعث پرانگی ہیں، ان کا منشا خود چیزوں کی تعقید و تاریکی یا ہمارا نقص فہم اتنا نہیں ہے، جتنا وہ غلط اصول جن پر ہم اڑے ہیں، اور جن سے رہائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

۵۔ یہ خیال کر کے کہ ہم سے پہلے بہت سے بڑے بڑے لوگ اور غیر معمولی ذہن و دماغ کے آدمی، اس باب میں ناکام رہے ہیں، ہمارا تہیہ اور پیش نهاد نہایت مشکل اور بہت شکن نظر آنے لگتا ہے، تاہم میں بالکل مایوس نہیں، کیونکہ ہر برترین راے کا ہمیشہ صائب ترین ہونا ضروری نہیں۔ ساتھ ہی ایک شخص جو تصویر نظر ہے چیزوں کو زیادہ نزدیک کر کے دیکھنے پر مجبور ہوتا ہے، اور بہت ممکن ہے



کہ وہ اس قریبی ملاحظہ و معائنہ سے، اُس شے کو دیکھ لے، جو بیترنگہ گاہ سے پہنچ گئی۔

۴۔ آئندہ مباحث کو آسان اور قریب الفہم بنانے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب و تمدن کی ماہیت اور اُس کے سوا استعمال کی نسبت بیان کر دیا جائے، لیکن اسکی توضیح میں اپنے اصل مبحث کو کسی قدر پیچھے ہٹا دینا پڑتا ہے اور پہلے ہم اُس شے کا ذکر کرتے ہیں جو علی العموم نظر و فکر کی تشویش و پیچیدگی کا ایک خاص اور بڑا سبب رہی ہے۔ وہ یہ اعتقاد ہے کہ ذہن کو ایک ایسی قوت حاصل ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنے اندر اشیاء کا تصور مجرد قائم کر سکتا ہے۔ جو شخص فلاسفہ کے نوشتجات اور مناظرات سے ناواقف محض نہیں ہے، وہ قطعاً اعتراف کرے گا کہ ان کا ایک بڑا حصہ ان ہی تصورات مجردہ سے متعلق ہوتا ہے۔ زیادہ خصوصیت کے ساتھ یہ اُن علوم کا موضوع بحث خیال کیے جاتے ہیں، جنکو ہم منطق، مابعد الطبیعیات یا علم عالی سے تعبیر کرتے ہیں جس میں بہ شکل کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا مل سکے گا جو تصورات مجردہ کے وجود ذہنی کے فرض و تسلیم پر مبنی نہ ہو۔

۵۔ مناسب مانتے ہیں کہ چیزوں کے صفات اور کیفیات خارج میں ایک دوسرے سے الگ اور قائم بالذات نہیں پائے جاتے، بلکہ سب کے سب کسی ایک شے میں ملے جلتے اور خلط ملط ہوتے ہیں لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ ذہن میں اسکی قابلیت ہے کہ وہ ہر ایک صفت کو باقی تمام دوسری صفتوں سے، جسکے ساتھ وہ خارج میں مخلوط ہے، جدا کر کے مجرد طور پر ملحوظ رکھ سکتا ہے، اور اس طریقہ سے اپنے ضروریات کے لیے تصورات مجردہ پیدا کر لیتا ہے۔ مثلاً تم ایک چیز ممتد، رنگین اور متحرک دیکھتے ہو، اب ذہن اس مخلوط اور مرکب تصور کو بسیط اجزائے ترکیبی میں تحلیل کر کے، اور ہر ایک کو بجا خود دوسروں سے الگ کر کے، امتداد، رنگ اور حرکت کا علیحدہ علیحدہ تصور مجرد قائم کر لیتا ہے۔ مطلب نہیں کہ رنگ یا حرکت کا وجود فی الواقع بے امتداد کے ممکن ہے، بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ ذہن خود اپنا عمل تجرید کے ذریعہ رنگ کا تصور امتداد اور حرکت کا تصور رنگ امتداد دونوں سے جدا کر کے منفصل طور پر

قائم کر سکتا ہے۔

۸۔ تجرید کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ خاص خاص جزئی امتدادات میں، جسکا حواس کی سادہ طے سے علم ہوتا ہے، ایک تو ایسی مشترک قدر نکلتی ہے، جو تمام افراد میں یکسان طور پر موجود ہے اور دوسری مختص جو ان افراد کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز بناتی ہے، اب ذہن بجائے خود اُس قدر مشترک کو الگ لیکر نفس امتداد کا ایک ایسا وسیع اور مجرد تصور بنا لیتا ہے، جو نہ خط ہوتا ہے، نہ سطح نہ کوئی ٹھوس شے اور نہ کوئی مخصوص شکل و مقدار، بلکہ ایک ایسا مفہوم، جو ان سب کو حاوی ہے۔ اسی طرح رنگ کے خصوصیات محسوسہ سے قطع نظر کر کے، جو مختلف رنگوں کے باہمی امتیاز کا باعث ہیں۔ صرف قدر مشترک کو پیش نظر رکھ کر ذہن نفس رنگ کا ایک ایسا تصور مجرد باندھ لیتا ہے، جو نہ سرخ ہوتا ہے، نہ نیلا، نہ کوئی اور تعین رنگ۔ پھر اسی طرح حرکت کو نہ صرف جسم متحرک بلکہ خود اُس شکل سے، جو یہ حرکت پیدا کرتی ہے نیز تمام جہات جزئیہ اور مراتب سرعت و بطور سے مجرد کر کے خالص حرکت کا ذہن ایک ایسا تصور اخذ کر لیتا ہے، جو تمام محسوس جزئیات حرکت کو شامل ہوتا ہے۔

۹۔ جس طرح ذہن میں اس کا ملکہ ہے کہ وہ صفات و کیفیات کو الگ الگ کر کے ہر ایک کا علیحدہ ایک تصور مجرد حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح وہ ذہنی ترکیب یا تحلیل سے، ایسی کثیر الاجزا چیزوں کے بھی تصورات مجردہ پیدا کر لیتا ہے، جن میں کئی کئی صفات مشترک ہیں۔ مثلاً تم زید، عمر، بکر وغیرہ کو دیکھتے ہو کہ وہ فیکل و صورت کے بعض خصوصیات میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، اب ذہن صرف اُس مشترک اور مشابہ حصہ کو لے لیتا ہے، جو سب میں یکسانیت کے ساتھ موجود ہے، باقی تمام ان احوال و کوائف سے قطع نظر کر لیتا ہے جن سے انفرادی تخصیص و تعین پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ہم انسان یا دوسرے نفیون میں انسانیت یا ماہیت انسان کا تصور مجرد حاصل کرتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ انسانیت کے اس تصور مجرد میں رنگ شامل ہے، کیونکہ کوئی آدمی بے رنگ نہیں ہو سکتا۔



لیکن یہ رنگ نہ سفید ہے، نہ سیاہ، نہ کوئی اور مخصوص رنگ کیونکہ کوئی ایک خاص رنگ ایسا ہی نہیں جو تمام انسانوں میں مشترک ہو، علیٰ ہذا انسانیت کے اس تصور مجرد میں قد و قامت بھی شامل ہے، لیکن نہ یہ دراز ہے، نہ کوتاہ، بلکہ ایک ایسا قد و قامت جو ان سب منزہ ہے۔ یہی حال باقی صفات و کیفیات کا بھی ہے۔ اس سے آگے بڑھو، تو ایک اور کثیر الانواع مخلوق ملتی ہے جو سب نہیں لیکن بعض حیثیات سے انسان سے مشابہ ہے، اب ذہن ان چیزوں کو تو چھوڑ دیتا ہے جو انسان کے ساتھ مختص ہیں، اور صرف ان چیزوں کو لیکر جو تمام جانداروں میں مساوی طور پر پائی جاتی ہیں، حیوان مطلق کا تصور پیدا کر لیتا ہے، جو نہ تھا تمام افراد انسان سے، بلکہ چرند پرند، خشرات اور مچھلیوں وغیرہ کے لاتعداد درگزرکن اصناف سے مجرد ہوتا ہے۔ اس تصور حیوان کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں: جسم، زندگی، احساں اور حرکت ارادی جسم سے مراد کسی خاص شکل و صورت کا جسم نہیں ہے کیونکہ تمام حیوانات کسی ایک خاص شکل و صورت کے نہیں ہیں، نہ اس جسم کے لیے بال، پر یا فلس وغیرہ سے مستور یا برہنہ ہونے کی قید ہے، کیونکہ یہ چیزیں خاص خاص جانوروں کے امتیازی لوازم ہیں، اس لیے تصور مجرد کے مرتبہ میں نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حرکت ارادی میں بھی چلنے، اڑنے یا رینگنے کی گو مخصوص نہیں، لیکن باوجود ان سب قیود سے معرا ہونے کے ہے یہ حرکت ہی، البتہ یہ تصور کرنا آسان نہیں، کہ کیسی حرکت ہے۔

۱۰۔ اور لوگ تجرید تصورات کی یہ حیرت انگیز قوت رکھتے ہیں، یا نہیں اسکو وہی زیادہ بہتر جان اور بتلا سکتے ہیں۔ البتہ اپنی نسبت یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایسی قوت ضرور ہے جس کے ذریعہ سے اُن خاص خاص جزئی چیزوں کا تخیل کر سکتا ہوں جو کبھی احساس کی وساطت سے علم میں آچکی ہیں نیز ان کو مختلف صورتوں میں ذہن کے اندر تحلیل و ترکیب دے سکتا ہوں یعنی ایک ایسے آدمی کا تخیل کر سکتا ہوں جس کے دوسرے ہون، یا اوپر کا حصہ آدمی کا ہونا تو دھڑکھڑکاتا

مارت  
 ایک آنکھ، ہاتھ وغیرہ ہر ایک کو باقی سارے جسم سے منفصل اور بالکل الگ بھی تصور کر سکتا ہوں  
 لیکن اس ہاتھ یا آنکھ کے لیے کسی مخصوص شکل اور رنگ کا ہونا ضروری ہے، سیطرہ انسان کا جو تصور  
 میں قائم کرتا ہوں، اسکو بھی سفید، سیاہ، گندمی، مستقیم، منحنی، لمبا، بانٹھا، میانہ کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے  
 میں اس عجیب تصور مجرد کے حاصل کرنے میں، جسکی اوپر تشریح ہو چکی ہے، شدید سے شدید  
 ذہنی مشقت کے باوجود بھی نہیں کامیاب ہو سکتا۔ بالکل ایسا ہی یہ بھی میرے لیے ناممکن ہے  
 کہ حرکت کا کوئی ایسا تصور مجرد پیدا کر سکوں، جو جسم متحرک سے الگ ہو، اور جو نہ تیز ہو، نہ سست  
 نہ سیدھی، نہ ٹیڑھی، باقی اور دوسرے مجرد اور کلی تصورات کے بارے میں بھی بعینہ ہی حال ہے  
 ہاں بات کو زیادہ صاف کر دینے کے لیے، اتنا تسلیم کرتا ہوں کہ ایک منی مین میں بھی تجریدی کلیات  
 رکھتا ہوں، وہ یہ کہ ایسے اجزایا صفات کا ایک دوسرے علیحدہ تصور کر سکتا ہوں جو گو خارج میں متحد  
 ہی ہو کر پائے جاتے ہیں، تاہم ان کا الگ الگ موجود ہونا ممکن نہیں ہے، لیکن میں اس امر کا قطعی  
 منکر ہوں، کہ ایسے صفات کا ایک دوسرے سے منفصل تصور کر سکتا ہوں، جنکا واقفاً خارج میں  
 انفصالی وجود ناممکن ہے۔ یا یہ کہ مین افراد جزئیہ سے، وہ کلی تصور اخذ کر سکتا ہوں، جسکا اوپر بیان  
 ہوا۔ اور یہی دو، موخر الذکر تجریدی صحیح صورتیں ہیں۔ یہ سمجھنے کے وجہ موجود ہیں، کہ اکثر آدمی اعتراض  
 کریں گے کہ اس باب میں میرا ہی جیسا، انکا بھی حال ہے۔ انسانوں کا وہ سواد اعظم جو نہایت سادہ  
 اور بے پڑھا لکھا ہے، کبھی تجریدی تصورات کا دعویٰ نہیں کرتا، ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے، کہ  
 مجردات کا تصور دشوار ہے، بلا محنت شاقہ اور مطالعہ کے نہیں حاصل ہو سکتا، لہذا ہم بجا طور پر یہ  
 نتیجہ نکال سکتے ہیں، کہ اگر ایسے تصورات کا وجود ہے، تو وہ اعلیٰ تعلیم کے ذہنوں تک محدود ہے  
 ۱۱۔ اب میں ان دلائل کی جانچ شروع کرتا ہوں، جو نظریہ تجریدی حیات میں پیش کئے  
 جاسکتے ہیں، اساتھی ان اسباب کے معلوم کرنے کی سعی کر دن گا، جو بڑے سے بڑے ارباب فکر کا ایک



ایسی بعید از فہم راے کے قبول کرنے پر مائل کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ انسانی اور حیوانی فہم کا وسیع ترین اختلاف ان ہی مجرد اور کلی تصورات پر مبنی ہے، ایک سختی عظمت مرحوم فلسفی نے، ان کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، وہ کہتا ہے "تصور کلی ہی انسان اور حیوان کے مابین کامل امتیاز کا نشانہ ہے، اور ایسا تفوق ہے جس کو حیوانی قوی کسی طرح نہیں حاصل کر سکتے، کیونکہ ان میں تصورات کلیہ کے لیے کلی علامتوں کے استعمال کا مطلقاً پتہ نہیں چلتا، جس سے مقول طور پر ہم یہ خیال کر سکتے ہیں، کہ وہ تجربیہ کلیات سازی کی قابلیت ہی نہیں رکھتے، کیونکہ نہ تو وہ الفاظ ہی کا استعمال کرتے ہیں، نہ کسی اور قسم کی عمومی علامتوں کا "ذرا آگے چل کر پھر کہتا ہے "اسی بنا پر میں یہ خیال کرتا ہوں، کہ یہی وہ چیز ہے جو حیوانات کی سرحد کو انسان سے الگ کر دیتی ہے، اور یہی وہ خاص فرق ہے، جو انکو بالکل ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے، اور بالاخر امتداد وسیع بعد از فصل قائم ہو جاتا ہے۔ اگر حیوانات محض ایک کل نہیں ہیں، اور انکے ذہن میں کسی طرح کے تصورات پیدا ہوتے ہیں، تو ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے، کہ وہ کچھ نہ کچھ عقل بھی رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک جس طرح یہ عیان ہے، کہ حیوانات حس رکھتے ہیں، اسی طرح یہ بھی متنبہ نہیں ہے، کہ ان میں سے بعض کے اندر خاص خاص مثالوں میں فکر و استدلال کا بھی سراغ لگتا ہے، لیکن ان کا یہ فکر و استدلال محض تصورات جزئی تک محدود ہے، برترین حیوانات بھی ان تنگ حدود سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے" (امتحان فہم انسانی، کتاب ۲، باب ۲، بند ۱۰ اور ۱۱) جگو اس بارے میں اس عالم مصنف سے بالکل اتفاق ہے، کہ حیوانی قوی کسی طرح عمل تجربہ کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن اگر وہی کمی حیوانات کی خصوصیت ممیزہ ہے، تو جگو اندیشہ ہے کہ انسان کی بہت بڑی تعداد کو بھی انہی میں شمار کرنا پڑیگا، حیوانات کے مجرد اور کلی تصورات نہ رکھے، پر جو دلیل بیان قائم کی گئی ہے، وہ یہ ہے، کہ ہم ان میں الفاظ یا کسی اور قسم کی عمومی علامتوں کا استعمال نہیں یاتے، جو اس فرض پر مبنی ہے، کہ الفاظ کا استعمال تصورات کلیہ کی موجودگی پر دلیل ہے، جس سے

یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ انسان، جو کوئی نہ کوئی زبان بولتا ہے، اپنے تصورات میں تجربیہ تقسیم پیدا کر سکتا ہے، یہ امر کہ مصنف کے استدلال کا یہی منشا اور حاصل ہے، ایک دوسرے موقع پر زیادہ واضح ہو جاتا ہے، جہاں وہ ایک سوال کا جواب دیتا ہے "جبکہ تمام موجودات جزئی ہیں تو ہم کلی الفاظ تک کیونکر پہنچتے ہیں؟" جواب یہ ہے "الفاظ کلی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں، کہ وہ تصورات کلی کی علامت ہوتے ہیں" (امتحان فہم انسانی، کتاب ۳، باب ۲، بند ۶) لیکن حقیقت یہ ہے، کہ لفظ میں عموم اور کلیت ایسے نہیں آتی، کہ وہ مجرد اور کلی تصور کی علامت ہوتا ہے، بلکہ ایسے کہ وہ بہت سے جزئی تصورات پر دلالت کرتا ہے، جنہیں سے بلا تفتیش، وہ کسی ایک کی جانب ذہن کو متوجہ کر سکتا ہے، مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ حرکت کا تغیر قوت کے دباؤ کے مناسب ہوتا ہے، یا جس چیز میں امتداد ہے وہ قابل تقسیم ہے، تو اس میں شک نہیں کہ ان قضایا سے عام حرکت و امتداد مفہوم ہوتا ہے، تاہم اس نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا، کہ ان سے ہمارے ذہن میں ایک ایسی حرکت کا تصور پیدا ہوتا ہے، جو جسم متحرک سے الگ یا خاص جہت اور درجہ سرعت و بطور کے بغیر ہونے پر ضرور ہے، کہ کسی ایسے مجرد اور کلی امتداد کا تمثیل قائم کیا جائے، جو نہ خط ہو، نہ سطح، نہ جسم، نہ بُرا، نہ چھوٹا، نہ سیاہ، نہ سفید، نہ سرخ، نہ کسی اور خاص رنگ کا مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے، کہ حرکت کا جو سا تصور جزئی بھی ہم لیں، خواہ سرخ ہو یا بلی، عمودی ہو یا انحرافی، اور چاہے جس شے میں ہو، ہمارا مذکورہ بالا اصول موضوعہ ہر حال میں صحیح اور قائم رہے گا، جیسا کہ دوسرا حکم ہر جزئی امتداد کے لیے ثابت ہے، خواہ وہ خط ہو یا سطح یا کوئی مجسم شے، خواہ اسکی شکل و مقدار یہ ہو، یا وہ۔

۱۲ پہلے اس پر غور کرنا چاہیے، کہ تصورات میں تقسیم اور کلیت کیونکر پیدا ہوتی ہے، پھر زیادہ بہتر طریقہ سے ہم فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ کلی الفاظ کس طرح بنتے ہیں۔ اس موقع پر یہ بات پیش خاطر رکھنی چاہیے، کہ میں مطلقاً تصورات کلیہ کے وجود کا منکر نہیں ہوں، بلکہ صرف کلیات مجردہ کو تسلیم نہیں کرتا،



کیونکہ ہم نے جو اقتباسات درج کئے ہیں، اور جن میں تصورات کلیہ کا ذکر ہے، وہ تمام تر اسی عمل تجربہ کے فرض پر مبنی ہیں، جسکے بیان آٹھویں اور نویں بند میں گذر چکا ہے۔ اب اگر ہم اپنے لفظوں کو با معنی بنانا چاہتے ہیں، اور صرف ایسے لفظ بولنا چاہتے ہیں جن سے ذہن میں کوئی نہ کوئی تصور پیدا ہو تو جو یقین ہے کہ اسی بات کا ہم کو اقرار کرنا پڑیگا، کہ جو تصور بجائے خود جزئی ہے، اسی میں جب اپنے تمام ہم صنف جزئی تصورات کی نمائندگی اور قائم مقامی کی حیثیت کا اضافہ کر دیا جائے، تو کلی بن جاتا ہے۔ مثال کے ذریعہ سے اس کو زیادہ صاف طور پر یوں سمجھو کہ ایک ہندسہ دان جب خط کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، تو مثلاً ایک انچ کا ایک سیاہ خط کھینچتا ہے۔ یہ اگرچہ اپنی جگہ پر ایک جزئی خط ہوتا ہے، لیکن معنی عام اور کلی ہوتا ہے، کیونکہ یہ اس موقع پر یہ حیثیت استعمال تمام ممکن الوجود جزئی خطوط کو نیا بتا شامل ہے۔ اسی بنا پر جو کچھ اسکے لیے ثابت کیا جاتا ہے، وہ تمام خطوط کے لیے ثابت ہو جاتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو، کہ کلی خط کے لیے ثابت ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح یہ جزئی خط بہ لحاظ علامت یا نمائندگی کے کلی ہو جاتا ہے، اسی طرح خود لفظ خط، جو یوں تو جزئی ہے، لیکن علامتاً کلی بنالیا گیا ہے۔ اور طرح اول الذکر کی کلیت کا مدار سپرین پر ہے، کہ وہ ایک مجرد کلی خط کا قائم مقام ہے، بلکہ اسپر کہ تمام ممکن الوجود جزئی خطوط مستقیمہ کا نمائندہ ہے، اسی طرح ثانی الذکر کی کلیت کو بھی ان مختلف جزئی خطوط سے ماخوذ سمجھنا چاہئے، جن پر یہ بلا تخصیص دلالت کرتا ہے۔

۱۳۔ تصورات مجردہ کی ماہیت اور ان کے ناگزیر استعمالات کی مزید توضیح کے لیے میں ”متحان فہم انسانی“ سے ایک اقتباس اور درج کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ”بچوں اور غیر متحان ذہنوں کے لیے، تصورات مجردہ کا سمجھنا یا اخذ کرنا، اتنا صاف اور سہل نہیں جتنا تصورات جزئی کا۔ اگرچہ بالغ العمر لوگوں کو آسان معلوم ہوتے ہیں، تو اسکی وجہ محض متمر اور مانوس استعمال ہے کیونکہ اگر ہم زیادہ وقت نظری سے سوچیں، تو معلوم ہوگا، کہ تصورات کلیہ ایک طرح کے ذہنی مفروضات

اور اختراعات ہیں جنکی حقیقت ہی میں پیچیدگی داخل ہے۔ مثال کے لیے ایک مثلث ہی کو لو (جو) بہت زیادہ وسیع، مجرد اور عسیر الفہم نہیں ہے، تو کیا اس کا تصور کلی قائم کرنا ایک سخت وقت طلب کام نہیں ہے، کیونکہ اسکے کلی ہونے کے معنی یہ ہیں، کہ نہ تو یہ منفرد الزاویہ ہو، نہ حادث الزاویہ اور نہ قائم الزاویہ، نہ مساوی الاضلاع، نہ مساوی الساقین، اور نہ مختلف الاضلاع، بلکہ ایک ہی وقت میں سب کچھ ہو، اور کچھ نہ ہو؟ لازماً یہ ایک ناتمام شے ہے، جو کسی طرح ممکن الوجود نہیں، یعنی ایک ایسا تصور ہے، جس میں کئی مختلف اور متناقض تصورات کے اجزائیکجا کر دیئے گئے ہیں، یہ بالکل سچ ہے، کہ ذہن اپنی اس ناقص حالت میں، اس قسم کے تصورات کا محتاج ہے، اور افہام و فہم کی آسانی اور علم کی توسیع کے لیے جو دونوں اسکی فطری طلب ہیں، انکو نہایت جلد بازی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے، لیکن با نیمہ ایک شخص معقولیت کے ساتھ شہہ کر سکتا ہے، کہ ایسے تصورات واقعہ ہمارے نقص ذہن کی نشانی ہیں۔ بہر کیف کم سے کم اتنا ظاہر کر دینا ضرور ہے، کہ اکثر مجرد اور کلی تصورات ایسے نہیں ہیں، جنکو اول ہی اول اور زیادہ سہولت سے ذہن اخذ کرے، نہ اس کا ابتدائی علم ان سے مانوس ہوتا ہے۔ (کتاب ۱، باب ۷، بند ۹) اب اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں ایسے مثلث کا تصور قائم کر سکتا ہے، جسکا اوپر ذکر ہوا، تو اس سے نزاع اور جھگڑا کر کے بازی لیجا نہیں کیا جاسکتا۔ فضول ہے اور نہ میں اس میں پڑنا چاہتا ہوں، میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ اس کتاب کا پڑھنے والا پوری طرح اور یقین کیا ہے اپنے کو یہ معلوم کر سکتا ہے کہ وہ اس قسم کا تصور رکھتا ہے یا نہیں۔ اور میرے خیال میں یہ کسی کے لیے بھی کوئی نیا کام نہیں۔ اس سے زیادہ کون سا کام آسان ہو سکتا ہے کہ آدمی تھوڑی دیر خود اپنے افکار پر غور کرے، اور یہ لگائی کی کوشش کرے کہ اسکے ذہن میں کوئی ایسا تصویر ہے یا نہیں کیا جاسکتا ہے، جو مثلث کلی کی توضیحات و خصوصیات بالا کا مصداق ہو، یعنی جو نہ قائم الزاویہ ہو نہ غیر قائم الزاویہ نہ مساوی الاضلاع، نہ مساوی الساقین اور نہ مختلف الاضلاع بلکہ ہر آن واحد سب کچھ ہو اور کچھ نہ ہو۔



## فنون لطیفہ

(۳)

مترجمہ مرزا احسان احمد بی اے

من عمارت میں نقالی کا فن عمارت کو بالکل ایک غیر نقالی فن تصور نہ کرنا چاہئے، موسیقی کی طرح اس میں بھی نقالی کو کچھ دخل ہی لیکن محدود اور مخصوص صورتوں میں فن عمارت کے ایسے انداز قائم ہوئے ہیں جن سے قدرتی یا دوسرے واقعات و حالات کی نقالی کا پتہ چلتا ہے، اکثر حقیقی نقالی کی بجائے محض نشانات سے کام لیا جاتا ہے، مثلاً بابل کے بنجمن نے اپنے عظیم الشان مسجد کے ساتھ ہم مرکز دیواروں پر ستارے فلکی کی صورت بنائی تھی، یا عیسائیوں کے چرچوں کے سطحی پلین کی بنیاد ہزاروں تغیر و تبدل کے ساتھ صلیب پر رکھی گئی تھی، اب خاص نقالی کی مثالیں ملاحظہ ہو، گنگا ننگ چرچوں میں جو نقالی راستے بنائے جاتے تھے، اس کا مقصد جنگل کے قدرتی بنی ماستوں کا ایک تخیل قائم کرنا تھا اور چرچوں کے محراب اور محراب کے پاس جنگل کے راست قامت درختوں اور باہم ملی ہوئی شاخوں کی نقالی ہوتی مصر کے قدیم عبادت گاہوں اور محلوں میں بھی اسی قسم کی نقالی پائی جاتی ہے،

اب ہم فنون نقالی یعنی سنگتراشی، مصوری اور شاعری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ان فنون پر اسطو اصول کے مطابق غور کرنا ہمارے لئے زیادہ بہتر ہوگا، یعنی اولاً کیا ہیں جنکی یہ فنون نقالی کرتے ہیں، اور ثانیاً انکی نقالی کے ذرائع کیا ہیں؟

صنعتگری بحیثیت صنعتگری کی نقالی کا دائرہ نسبت شاعری اور مصوری کے زیادہ تنگ اور محدود ہے ایک نقالی فن کے لیکن یہ نسبتہ اشیا کی زیادہ کامل طور پر نقالی کرتی ہے، اسکے دائرہ نقالی میں وہ تمام اشیا داخل ہیں جن میں طول عرض اور قداریہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں، صنعت گری سخت مادہ سے

کٹ چھانٹ کر مختلف صورتیں بناتا ہے، مثلاً پتھر اور لکڑی کا مجسمہ وغیرہ، یا نرم مادہ مثلاً موم وغیرہ کو کسی موزوں قالب میں ڈالتا ہے، اسی طرح مختلف قسم کے مادوں کو مختلف صورتوں میں ترکیب دیتا رہتا ہے،

صنعتگری عموماً ٹھوس شکل کی ٹھوس شکل کے ساتھ نقالی کرتی ہے، ممکن ہے کہ یہ نقالی مکمل طور پر ٹھوس ہو یا نیم مکمل طور پر، وہ صنعتگری جو مکمل طور پر ٹھوس ہوتی ہے اشیا کو طول عرض اور عمق کی پابندی کے ساتھ بعینہ پیش نظر کرتی ہے، اسکے نتائج عمل قائم بالذات ہوتے ہیں، اور ہر نقطہ نظر سے دیکھے جاسکتے ہیں، وہ صنعتگری جو غیر مکمل طور پر ٹھوس ہوتی ہے، اشیا کی نقالی میں محض عرض و طول سے کام لیتی ہے، اور عمق کو دھندلا کر کے دکھاتی ہے کہ نظر خود اسکو پورا کرے، اسکے نتائج عمل قائم بالذات نہیں ہوتے بلکہ Background سے ملتی ہوتے ہیں، اور محض سامنے سے دیکھے جاسکتے ہیں، کیونکہ یہ اشیا کی ایک خاص نقطہ نظر سے نقالی کرتی ہے، تمام جزئیات کو ایک ایک کر کے نہیں دکھاتی، بلکہ ایک خاص حصہ کو لیکر نمایاں کرتی ہے، اور عقب میں اس خاص حصہ کے خطہ حدود کا ایک جمالی خاکہ رہتا ہے، ضمناً اس سے اس چیز کے دوسرے حدود کا ایک ضعیف خیال قائم ہوجاتا ہے،

قسم اول کی نقالی کے لئے چونکہ اول الذکر صنعتگری مادی حیثیت کی تمام خصوصیات اور جزئیات کو منظر عام کون اشیا مناسب ہیں لاتی ہے، اسلئے کمال کے ساتھ محض اس شے کی نقالی کر سکتی ہے جو بہت زیادہ وسیع اور پیچیدہ نہ ہو، جو اپنے تعلقات سے جدا کیجا سکتی ہو، اور جسکے تمام جزئیات کے باہمی تعلقات

بآسانی محسوس ہو سکیں، اور جو نوع انسان کے لئے عام دلچسپی رکھتی ہو، اس بنا پر جسم انسانی ہی ایک ایسی شے ہے جو ان تمام شرائط کو پوری کر سکتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ جسم انسانی سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ خوبصورت اور موزوں مخلوق ہے، یہی صنعتگری سعی و محنت، اور کمال و شغف کا اصلی تماشا گاہ ہے، وہ ہر جز کو نہایت آسانی اور کمال کے ساتھ نمایاں کرتا ہے، اور جو خاص اثرات ڈالتا ہے وہ محتاج بیان نہیں، اسکے



علاوہ دیگر حیوانات کی ہئیت کی بھی نقالی کیجاتی ہے، جو جسم انسانی سے بہت کچھ ملے جلتے ہیں، اس قسم کی صنعتگری نے ان ملکوں میں بہت زیادہ ترقی کی ہے، جہاں لوگوں کو جسم انسانی کی ترکیب و ساخت پر غور کرنے کا کافی موقع ملتا ہے،

قسم دوم کی نقالی کے لئے | آخر الذکر صنعتگری کا بہت زیادہ تعلق فن عمارت سے ہے، اور اسکی تخت میں عام طور پر کون سی اشارہ مناسب ہیں اس سے کام لیا جاتا ہے، گو اس کا فرض مذکورہ بالا صنعتگری سے کچھ مختلف ہی لیکن یہ بھی انھی اشیاء کی نقالی کرتی ہے جسم انسانی اسکا بھی خاص جولا نگاہ ہے، اگرچہ ضروریات فن کی بنا پر بعض اوقات صنعتگر کو اپنے دائرہ نقالی میں دوسری اشیاء کو داخل کرنا پڑتا ہے، چونکہ اسکو اشیاء کے عمق سے کوئی غرض نہیں ہوتی، اسلئے اسکو کامل آزادی حاصل ہے کہ اس وسعت میں نیگڑوں اشیاء کو جگہ دے، لیکن اس آزادی کو جتنا ہی کام میں لائیگا اتنا ہی دائرہ صنعتگری سے خارج ہوتا جائیگا۔  
صنعتگری کی تعریف | صنعتگری، فنون لطیفہ میں سے ایک فن ہے جو عرض، طول، اور عمق، یا محض طول، اور عرض کی پابندی کے ساتھ قدرتی اشیاء اور خصوصاً جسم انسانی کی نقالی کرتا ہے، اور اس طرح جذبات کو ظاہر اور براہِ نگہتہ کرتا ہے،

مصورۃ بحیثیت ایک | مصوری ایک قسم کی صنعتگری ہے، جس حیثیت سے قوت باصرہ قدرتی اشیاء کا نقالی فن کے احساس کرتی ہے، اسی طرح مصور انکی نقالی کرتا ہے، مصوری محض طول و عرض سے کام لیتی ہے، عمق کو نظر پر چھوڑ دیتی ہے جو خود اس کی کو خط حدود تاریکی اور روشنی کی تقسیم اور رنگ آمیزی وغیرہ کے ذریعہ سے پورا کر لیتی ہے،

مصورۃ کے دائرہ نقالی | اس فن میں یہ نسبت اور اقسام صنعتگری کے بہت زیادہ وسعت اور آزادی حاصل کی وسعت اس کے دائرہ نقالی میں وہ تمام اشیاء داخل ہیں جنکو قوت باصرہ محسوس کر سکتی ہے مثلاً انسان، درخت، بادل، ستارے، پہاڑ، جنگل وغیرہ وغیرہ، قرب و بعد سے مصوری کو کوئی واسطہ نہیں

جس طرح مصور ذریعہ کی چیزوں کی تصویر کھینچ سکتا ہے، اسی طرح دور کی چیزوں کی بھی تصویر کھینچ سکتا ہے، جو کچھ اس نے دیکھا ہی یا اپنے کو دیکھتا ہوا خیال کر سکتا ہے، وہ سب مصوری کے تحت میں داخل ہیں اس بنا پر فن مصوری کی وسعت تقریباً غیر محدود قرار دیجا سکتی ہے، گو مختلف سوسائٹیوں میں مختلف اشیاء کی مصوری کی طرف لوگوں کا خاص میلان طبع رہا ہے، لیکن صنعتگری کی طرح مصوری کی نقش آرائیوں کا پہلی تماشگاہ جسم انسانی ہی تھا، اور ہے، انسان کے ساتھ حیوانات، نباتات، مکانات، ہمنور، راز سمنور آسمان اور دلکش مناظر وغیرہ بھی مصوری کی حد میں شامل ہو گئے ہیں،

مصورۃ کی خاص | مصوری کی بنیاد تین اصولوں پر ہے،  
مرد تین یا پیراے | (۱) یہ کہ مصور کی تمام تر توجہ قدرتی اشیاء کی خارجی ساخت اور تعلقات کی طرف جنکا اظہار اشیاء کے حدود و اربعہ سے ہوتا ہے، مبذول ہوتی ہے، اور وہ حدود و اربعہ کو صاف طور پر دکھانیکے لئے اصول خط سے کام لیتا ہے،

(۲) اشیاء کی خارجی ساخت اور تعلقات، روشنی اور تاریکی کی تقسیم وغیرہ سے دکھائے جاتے ہیں، اسکو اصول روشنی اور تاریکی کہتے ہیں،

(۳) اشیاء کی خارجی صورت سے قطع نظر کر کے مصور انکی سطح کے مقامی رنگوں کی تقسیم، خصوصیات اور تعلقات کو نمایان کرتا ہے، اسکو اصول رنگ کہتے ہیں،

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصور ان میں سے کس اصول کے مطابق عمل کرتا ہے، بلاشبہ مکمل فن مصوری میں ان تینوں اصول سے کام لیا جاتا ہے، مثلاً کسی چیز کا خاکہ کھینچنے میں محض اصول خط کی پابندی ضروری ہوتی ہے، نقاشانہ مصوری میں اصول خط اور رنگ دونوں سے کام لیا جاتا ہے، اور کونکی تصاویر میں خط اور روشنی و تاریکی سے مکمل فن مصوری کی بہترین مثالوں پر بھی غور کرنے سے یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ مصور کو کسی ایک خاص اصول سے نسبتاً زیادہ دلچسپی رہی ہے مثلاً آملی کے



مصوروں میں سے ٹائیٹن محض رنگ میں کمال رکھتا تھا، مارکس جیلو اصول خط میں یونار ڈوشنی و تارکی کے اصول میں، اکثر اکیڈمک مصوروں نے ان تینوں طریقوں کو وزن مساوی کے ساتھ باہم ملانے کی کوشش کی، لیکن اس کمال کا فخر محض ٹنٹاریٹو کے لئے مخصوص تھا جس نے اپنی اس کوشش میں بہت زیادہ کامیابی حاصل کی، جدید فن مصوری کی زیادہ تر کوشش اس امر کی طرف رہی ہے کہ اصول خط کو بالکل اڑا دیا جائے اور بجائے اسکے کینوس پر اشیا کا عکس اتارنے کے لئے تیل کے ذرائع کو ترقی دی جائے،

مصوری کی تعریف مصوری ایک فن ہے جس کا مقصد ایک ہموار سطح پر تمام قدرتی اشیا کے خط حدود و تارکی و روشنی، پارنگ یا ان تینوں صورتوں کی قلمی نقالی کے ذریعہ سے جذبات کو ظاہر اور مشتمل کرنا ہے،  
 شاعری بحیثیت ایک اب ہم مادیات کے حدود سے گذر کر غیر مادی اشیا کے دائرہ میں داخل ہوتے ہیں شاعری نقالی فن کے دائرہ نقالی میں ہر چیز جس کا تخیل ہم الفاظ کی صورت میں قائم کر سکتے ہیں داخل ہے،  
 اس بنا پر حوادث قدرت، نتائج فن، تجربات زندگی، واقعات تاریخ، انسانی خیالات و احساسات وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں شاعری کا مایہ خمیر ہیں، شاعری کا آلہ نقالی الفاظ ہیں جنکی ترکیب و ترتیب جو آواز پیدا ہوتی ہے، اس میں موسیقیت کا ایک خاص اثر پایا جاتا ہے،

شاعری کی خاص اہمیت | ارسطو کے خیال کے مطابق شاعرانہ نقالی تین اقسام پر مشتمل ہے، اولاً ایک (رزمیہ) جسمین شاعر کبھی دوسروں کے جذبات کا اپنے خاص الفاظ میں اظہار کرتا ہے، اور کبھی دوسروں سے خود اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے، دوسرے لیرک اغزل یا قصائد جو شاعر کے محض ذاتی جذبات کا آئینہ ہے، تیسرے ڈراما جس میں شاعر کو اپنی ذات سے کوئی غرض نہیں، بلکہ اپنے متعلقین قصہ کی زبان سے ایسے خیالات کا اظہار کرتا ہے جنکو وہ ادنیٰ تخیل کیلئے مناسب سمجھتا ہے، ڈراما کی نظائیں ارسطو پڑی جا میں تو ہر چند چیزوں کی کمی پوری کر نیکی سے کام لینا پڑیگا،

مثلاً موقع محل کی نوعیت، وقفہ کی مدت، واقعات کی رفتار وغیرہ، لیکن یہ چیزیں رزمیہ شاعری میں خصوصیت کے ساتھ مذکور ہوتی ہیں، اور عاشقانہ شاعری میں تو ان چیزوں کو کئی دخل ہی نہیں، اس بنا پر قوت تخیل کو اس محنت سے بچانے اور ڈراما کا پورا اثر ڈالنے کے لئے چند فنون تحتی سے مدد لینی پڑتی ہے، مثلاً سین کی تصویر کھینچنا، ادا کرنا، رقص و سرود وغیرہ خاص قسم کے نالکون میں موسیقی ڈراما کے جذباتی اثر کو دو چند کر دیتی ہے، ان تین اقسام کے علاوہ اخلاقیہ شاعری بھی اصناف شاعری میں عام طور پر داخل کر لی گئی ہے،

ارسطو، پسند و نصائح کو شاعری نہیں بلکہ ایک مفید مضمون خیال کرتا ہے لیکن چونکہ اس صنف کے مستند لیرک لکھا جا چکا ہے، ہم ارسطو کی رائے کی پیروی نہیں کر سکتے، بہتر ہوگا اگر ہم اس صنف شاعری کو فن عمارت اور دیگر فنون دستکاری کے زمرہ میں شامل کر لیں جن کا خاص مقصد منافع عامہ ہے، لیکن ساتھ ہی جذبات کو براہ گنجتہ کرنیکی قابلیت رکھتے ہیں،

شاعری کی تعریف | شاعری کی تعریف مشکل سے ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ ایک فن ہے جو قدرت اور زندگی کے واقعات و حالات کی ایسے الفاظ میں نقالی کرتا ہے، جنکی ترتیب اصول موسیقی پر مبنی ہے اور اس ذریعہ سے جذبات کو ظاہر اور براہ گنجتہ کرتا ہے،

شاعری کو بحیثیت نقالی کے مصوری | شاعری کی نقالی کا دائرہ بہ نسبت مصوری اور صنعتگری کے بہت زیادہ وسیع اور صنعتگری سے کیا تعلق ہے اسکے حدود میں مادیات اور غیر مادیات سب داخل ہیں یہ ہر قسم کے جذبات احساسات، واقعات اور تجربات وغیرہ کی تصویر کھینچ سکتی ہے، لیکن مصوری اور صنعتگری اس سے عمدہ برا نہیں ہو سکتی مثلاً آہ کی تصویر تم کیسے کھینچ سکتے ہو؟ محض جسم کی اس حالت کو جو آہ کر نیکی وقت محسوس ہوتی ہے تصویر کے ذریعہ سے دکھا سکتے ہو اور وہ بھی بالکل غیر مکمل ناقص طور پر، اسی طرح محض خیالات کی تصویر کھینچنے سے مصوری قاصر ہے، مثلاً رحم، قید، رملی وغیرہ البتہ مادی مثالوں کے ذریعہ سے مصور انکو کیسے



# باب اول فی تعلیم

الترتیب الاستقلالیہ

فن تعلیم و تربیت کے کچھ اسباق

(۳۳)  
(از مولانا عبد السلام ندوی)

مصنف نے تربیت کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے تھے انکا خلاصہ اوپر کے دو نمبروں میں گذر چکا  
تعلیم کے متعلق اس نے جو نظریات قائم کئے ہیں، انکی تفصیل حسب ذیل ہے،  
استاد اور مربی کا انتخاب | تعلیم و تربیت کا پہلا عمود استاد یا مربی کی ذات ہے، اس بنا پر علمائے تربیت نے  
انکی ذات میں مختلف جسمانی و روحانی اوصاف کا وجود لازمی قرار دیا ہے، مصنف کو بھی ایسے انکار نہیں،  
لیکن اسکی نگاہ اس سے بھی اعلیٰ تر نقطہ پر پڑتی ہے، اس کے نزدیک معلم یا مربی کی صحت مذہب، اخلاق  
اور عقائد و اعمال کے علاوہ بچے کی تعلیم و تربیت پر حسن و جمال کا بھی اثر پڑتا ہے، اسلئے اگر استاد یا مربی  
قدرت کے اس عطیہ سے بھی بہرہ ور ہوں تو نتائج نسبتاً بہتر ہونگے، چنانچہ اسکی بی بی ایک خط میں لکھتی ہیں:

”امیل جب میرے ساتھ لیڈی وارنگٹن کے یہاں جاتا ہی تو مجھکو خاص طور پر یہ بات

نظر آتی ہے کہ وہ عادتاً شہر کی آن لیڈین سے زیادہ میل جول پیدا کرنا چاہتا ہی، جو حسین و خوش رو

ہوتی ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ حسن و جمال کا اثر بچوں کے دل پر خصوصیت کے ساتھ پڑتا ہی،

بچوں کو عموماً بوڑھوں کے ساتھ زیادہ دلا آویزی ہوتی ہے، اس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

بچہ فطرتاً ہی سکھنا چاہتا ہی، اور بہت کچھ سکھنا چاہتا ہے، اور چونکہ بوڑھے اکثر بات چیت کیا کرتے ہیں اسلئے

اسکی پیاس اسی چشمے سے بجھ سکتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بچوں کو بوڑھوں سے زیادہ انس ہوتا ہے،

اس بنا پر اگر مربی یا معلم حیران رہیں سیدہ ہوں تو اسکا اثر بچوں کی تعلیم و تربیت پر فطرتاً و عموماً پڑے گا۔

ذہن نشین کر سکتا ہے، غرض کہ شاعری کے لئے تخیل کا وسیع جولانگہ کملا ہوا ہے، شاعر اپنے عالم خیال کو  
ایسی نیکڑوں چیزوں سے آباد کرتا ہی جو مصوری اور صنعتگری کی حدود حکومت سے خارج ہیں، تمام افراد کا نشانہ  
سکے زیر حکومت ہیں، وہ ہر جذبہ، ہر خیال، ہر حرکت کی مصوری کر سکتا ہے، لیکن الفاظ اودان اشیا میں  
جسکے لئے وہ استعمال کئے گئے ہیں کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی، دنیا میں ایسی چیزیں بہت کم ہیں جنکو  
الفاظ وضع نہ کئے گئے ہوں، لیکن الفاظ سے اشیا کا محض ایک تخیل ہمارے پیش نظر ہوتا ہی، انکی حقیقی  
صورت شکل کا واسطہ اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس بنا پر شاعری کا کام نقالی نہیں ہی، بلکہ اشیا کا ایک تخیل قائم  
کرنا ہی، مصوری اور صنعتگری کا کمال یہ ہی کہ یہ ان اشیا کی جو انکے حدود حکومت میں داخل ہیں، بہ نسبت  
شاعری کے نہایت خوبی اور کمال کے ساتھ نقالی کرتے ہیں، مثلاً صنعتگری اشیا کے خارجی شکل کی طرح  
تصویر کھینچتی ہی کہ قوت باصرہ اور قوت لامسہ دونوں محسوس کر سکتی ہیں، مصویر اپنے خاکہ میں جو مختلف رنگ  
بھرتا ہی اور اشیا کے باہمی تعلقات وغیرہ کو عن لطیف اور نازک نشانات سے نمایان کرتا ہی، ان میں سے  
بہت سی ایسی چیزیں ہیں جسکے لئے کوئی مستقل لفظ موجود نہیں، چنانچہ رنگوں کیلئے الفاظ تمام نابالوں میں  
خال خال پاسے جاتے ہیں، جس طرح مصوری تخیلات میں قدم نہیں رکھ سکتی، اسی طرح شاعری اشیا کی حقیقی  
شکل و صورت کی تصویر کھینچنے سے مجبور ہے،

حاصل یہ کہ گو شاعری کے زیر اثر تمام کائنات ہی، لیکن اشیا کی تصویر جس طرح مصویر کھینچتا ہی شاعری  
نہیں کھینچ سکتی، مصویر کو تمام جزئیات و خصوصیات کو ایک ایک کر کے دکھانا پڑتا ہی، لیکن شاعر کوئی خاص  
وصف لے لیتا ہی اور اسی پر آب و رنگ چڑھتا ہی، وہ تمام محاسن اور خصوصیات کے بیان کر نیکی کوشش نہیں کرتا  
اور کسی شے کا خاص اثر ڈالنے کیلئے یہ ضروری ہی کہ اسکا کوئی نمایان وصف لیا جائے، اس بنا پر شاعری کی نقالی بہ نسبت  
مصوری کے زیادہ موثر ہوتی ہی، اور یہی کہ مصوری اس عمدہ براہی نہیں ہو سکتی، مثلاً شکسپیر نے ایک عورت کو قص کو جاننے  
سمندر کی لہر تشبیہ دی ہی، اس حرکت کی تیزی و غنائی کا جو شبہ ہی انکوں میں پھر جاتا ہی مصویر اسکو تصویر میں کیونکر دکھا سکتا ہی؟



ترتیب علوم درسی | آج کل نظام تعلیم کی ابتری پر جو کچھ کہا جاتا ہے، اسکا تعلق زیادہ تر نصاب تعلیم اور درسی کتابوں کے ساتھ ہوتا ہے، ہم بار بار سنتے ہیں کہ فلاں کتاب سخت مشکل ہے، فلاں کتاب کے مضامین کا اثر بچوں کے عقاید و اخلاق پر ضرر پہنچا، فلاں کتاب اس زمانہ میں غیر مفید ہے، لیکن مصنف کے نزدیک اس اعتراض کا تعلق صرف کتابوں کی ترتیب، موزونیت، اور مضامین سے ہی اسلئے اگر اس کتاب کی بجائے دوسری کتاب رکھ دی جائے تو جو لوگ اپنے نقطہ نظر کو دیکھیں ایک محدود درجے ہیں انکی زبانیں بند ہو جائیں گی، حالانکہ اعتراض کا اصلی ہدف خود نصاب تعلیم کی ترتیب و موزونیت ہے، اصلی اعتراض یہ نہیں ہے کہ فلاں کتاب فلاں درجے یا فلاں بچے کے لئے موزوں نہیں ہے، حقیقی اعتراض یہ ہے کہ وہ نصاب تعلیم جو مفید کتابوں پر مشتمل ہے، وہ بھی بچوں کے سن و عقل اور ادراک کیلئے مفید ہے یا نہیں، اور اس میں بچوں کی قوائے فطریہ کی تدریجی ترقی کا لحاظ رکھا گیا ہے یا نہیں اگر اس حیثیت سے اس مسئلہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ واضح میں نصاب تعلیم نے قوانین فطرت کو کمیر الٹ پلٹ دیا ہے، علوم کی تقسیم و توزیع، تعریف و تحدید، اور اصول و فروع کا انضباط بہت سے تجربوں کے بعد کیا گیا ہے، علوم و فنون جس شکل میں بچوں کو پڑھائے جاتے ہیں وہ ابتدا میں موجود نہ تھی، انسان بولتا تھا، لیکن لغت کی کوئی کتاب اس کے سامنے نہ تھی، انسان دیکھتا تھا لیکن علم المناظر و المرایا کے آئین و اصول منضبط نہ تھے، انسان خدا پر اور اس کے انبیاء پر اعتقاد رکھتا تھا لیکن فقہ، حدیث، اور کلام کا وجود نہ تھا، بلکہ یہ چیزیں بعد کو پیدا ہوئیں، انسان نے رعد و برق کی آواز سن کر بولنا شروع کیا، انسان نے اس فضا سے بیٹھ کر دیکھ کر دیکھنا سیکھا، انسان نے عجائبات فطریہ مشاہدہ سے خدا کے وجود کا اقرار کیا، پس اگر اس فطری ترتیب کا لحاظ رکھا جائے تو ہمارے نصاب تعلیم میں سب سے پہلے خود حقیقہ فطرت کو داخل ہونا چاہیئے، عالم کو کون مجسم آواز ہے، مجسم روشنی ہے، مجسم مادہ ہے، مجسم صورت ہے، مجسم برق ہے، مجسم کہر ہے، غرض انہیات، طبیعیات، ریاضیات، جن

مضامین پر مشتمل ہیں وہ سب اس فضا سے بیٹھ کر پڑے ہیں، اسلئے طلباء کو سب سے پہلے انہی اجزاء و نشروں کو اپنے خزانہ خیال میں جمع کرنے کا موقع دینا چاہیئے، ہمارے زمانہ میں مدرسہ و اوقات تعلیم، سچ، کرسی، اور سب سے زیادہ روشن چیز جھربے تاریک سے عبارت ہیں، لیکن کیا ان میں کوئی چیز طلباء کو قدرت کی نیکیوں کا تماشا دکھا سکتی ہے؟ مدرسہ کی دیواروں کے باہر چڑیاں چھپا کر طلباء کو قطعہ دیتی ہیں، لیکن انکی آواز اس چار دیواری کو کب عبور کر سکتی ہے؟ اسلئے اگر نظام فطرت کو بچوں کے کورس میں داخل کرنا ہے تو ہر مدرسہ کو نہایت کشادہ ہوا دار، اور وسیع ہونا چاہیئے، کہ قدرت طلباء کو اپنی جلوہ بازی کا تماشا دکھا سکے، جو چیزیں مخفی ہیں یا اپنی اصلی صورت میں سامنے نہیں آسکتیں، انکے چہرے کو قدرتی ذرائع سے بے نقاب کرنا چاہیئے، دور بین، خورد بین، عجائب خانے، بوٹینکل گارڈن، یہ تمام چیزیں طلباء کے سامنے مجموعہ کائنات کو ایک نہایت منظم شکل میں پیش کر سکتی ہیں اسلئے کسی مدرسہ کا کیا فائدہ ان سے خالی نہیں ہونا چاہیئے،

کتابی درس میں بھی بچوں کے قوائے فطریہ کی تدریجی رفتار کا لحاظ نہایت ضروری ہے، بچہ ابتداء میں کسی چیز کی حقیقت اور اس کے علل و اسباب کو نہیں جان سکتا، وہ صرف اسکی معمولی شکل، اور اس کے حجم و ضخامت کی مقدار کو سمجھ سکتا ہے، اسلئے اگر اس کے سامنے اس چیز کی جنس و فصل، لوازم و اعراض کی تشریح کی جائے تو اسکا دماغ ایک ایسی سخت ٹکر کھائیگا جو ہمیشہ کے لئے اسکو پریشان رائے کر دیگی، نوجوان طلبہ کو فطرۃ شعرو شاعری سے مناسبت ہوتی ہے، پختہ سن لڑکے منطق و فلسفہ سے دلچسپی رکھتے ہیں، غرض جس طرح بچوں کی ایک عمر ہوتی ہے، اسی طرح انکار و خیالات بھی ایک عمر رکھتے ہیں، اسلئے نصاب تعلیم میں دماغی زندگی کی نشوونما اور اسکی تدریجی ترقی کا لحاظ نہایت لازمی طور پر کرنا چاہیئے،

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مختلف حیثیتیں رکھتی ہیں، اور ہر حیثیت طلباء کی ایک خاص



حصہ عمر سے مناسبت رکھتی ہے، بچہ پہلے گلاب کی حقیقت صرف استقدر جانتا ہو کہ وہ ایک سرخ پھول ہے، پھر جب اُسکے قواس دماغیہ زیادہ ترقی کرتے ہیں، تو وہ اس پھول کی شکل، رنگ اور خوشبو کے مجموعہ سے ایک مثالی صورت قائم کرتا ہے، اور اُسکو بطور حقیقت کلیہ کے گلاب کے تمام جزئیات پر منطبق کرتا ہے، لیکن اب بھی وہ ان تمام رموز و اسرار سے بیخبر رہتا ہے جو علم نباتات میں فاش کئے گئے ہیں، اس بنا پر ان چیزوں کی تعلیم کے لئے مختلف اوقات کی ضرورت ہے، اگر ایک صغیر السن بچے کو منطق اور علم النبات کی رو سے گلاب کی حقیقت سمجھائی جائیگی تو یہ ایک ہوائی تیرہوگا جسکے نشانہ کا پتہ نہیں، گلاب کی ان حیثیات مختلفہ کی توضیح اُسی عمر میں کرنی چاہیے جو اسکے لئے موزوں ہے، گلاب جس طرح تو بتو حقائق و معارف کا مجموعہ ہے، اسی طرح اُسکی ہر ٹکڑی دس بار بار دہرایا ہوگا، اور ہر تہ کو بار بار التنا پڑیگا،

بچوں کو عموماً بعض خاص چیزوں سے مناسبت ہوتی ہے، مثلاً ہر بچہ تصویروں سے ولاویزی رکھتا ہے، اسلئے علوم و فنون کی تعلیم میں اس مناسبت طبعی سے کام لینا مفید ہوگا، مثلاً علم طبقات الارض ایک نہایت وسیع علم ہے، اسلئے اگر بچے کو ابتداءً اسکے تمام مسائل سکھائے جائیں تو اسکا نتیجہ پریشان دماغی کے سوا کچھ ہوگا، لیکن بچوں کو تصویروں سے جو ولاویزی ہوتی ہے، اُس سے اس علم کی تعلیم میں بہ ترتیب کام لیا جاسکتا ہے، کنکروں اور پتھروں میں بعض تو خود جانوروں کی شکل کے ہوتے ہیں، بعض میں جانوروں کی شکل منطبق ہوتی ہے، اب اس فن کے معلم کا پہلا فرض یہ ہے کہ بچوں کو اس فن کے ابتدائی مسائل کی تعلیم اس قسم کے کنکروں سے دے جو نتائج کے لحاظ سے اسکے لئے فعل و گوہر سے بھی زیادہ قیمتی ہیں، زبان کی تعلیم بچے کی تعلیم کا سب سے پہلا منظر زبان ہے، لیکن ایک طوطی پس پردہ ہی، اسلئے باپ سے، مان سے، استاد سے جو الفاظ سنتا ہے، اُنکے معانی پر غور نہیں کرتا بلکہ صرف

اُسکو رٹ لیتا ہے، دنیا نے بچے کی اس نظرت کو بالاتفاق تسلیم کر لیا ہے جسکا نتیجہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے، باپ، مان بچے کو جو الفاظ سکھا دیتے ہیں اگر وہ اُنکا ٹوٹا پھوٹا تلفظ بھی کرے تو وہ کامیاب خیال کیا جاتا ہے، بچوں کے کہلانے، بہلانے اور پھسلانے کیلئے جو الفاظ، جوراگ اور جوریان عام طور پر ضرب المثل ہو گئی ہیں، ان میں اکثر سہل ہوتی ہیں، اور جو معنی رکھتی ہیں وہ بھی نہایت غیر ضروری اور غیر مفید ہوتے ہیں، کیونکہ تمام لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ بچہ سوچتا سمجھتا نہیں، اُسکو صرف الفاظ کا محض صوت اپنا فریفتہ بنا لیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لٹریچر کی ابتدائی تعلیم میں معانی و مطالب کا بہت کم لحاظ رکھا جاتا ہے، اُسکی حقیقت محاکات اصوات سے زیادہ نہیں، طلباء کی کامیابی صرف یہ ہے کہ وہ الفاظ کو رٹ لیں اور بار بار اُنکا اعادہ کرتے رہیں، لیکن حقیقت عظیم الشان غلطی ہے، آج علوم و فنون کی ترقی نے ثابت کر دیا ہے کہ عبادات و نباتات تک جس رکھتے ہیں، پھر ایک ایسا وجود جسکو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے، قوت حاسہ اور قوت فکر سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے، باپ مان اور معلم یہ سمجھتے ہیں کہ انکی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ ہوا کی توج کے ساتھ بچے کے اعصاب دماغی سے ٹکراتے ہیں، اور بچے کا رٹنا اسی ٹکر کی صدا کا بازگشت گویا دو پتھروں کا ٹکرانا، اور بچے کا رٹنا دونوں ایک چیز ہیں، لیکن یہ ایک صریح مغالطہ ہے، دنیا میں ہر چیز بولتی ہے، سونے، چاندی، لوہے، اور پتیل کی جہنکار خود انکی حقیقت کی خبر دیتی ہے، صاعقہ برق، موجہاے دریا سب بولتے ہیں، اور ان میں باہم جو ٹکر ہوتی ہے، اُنکی کیفیات مختلفہ کی خبر دیتی ہیں، لیکن انسان کے لفظ، اور ان چیزوں کی گویائی میں بڑا فرق ہے، چوٹے سے چوٹا بچہ بھی اگر ایک لفظ بولے گا تو اُسکا مقصد یہ ہوگا کہ وہ کسی کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے، اگر وہ اپنی طرف میں کی ضمیر متکلم سے خطاب کرے گا تو اس میں ایک شان استقلال و حریت پائی جائیگی، اس بنا پر لٹریچر کی تعلیم کا مقصد صرف یہ نہیں ہونا چاہیے کہ بچے محض الفاظ کو رٹ لیں،







حروف ہجائیہ کی بہ نسبت نہایت آسانی کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اس کے ساتھ اس کے مقدم کرنے میں حسب ذیل فوائد حاصل ہو سکتے ہیں،

(۱) پڑھنا بچے کیلئے ابتداءً ایک جبری چیز ہے، لیکن مصوری کی طرف وہ فطرتاً مائل ہوتا ہے، بلکہ بعض حالتوں میں وہ اس کے لئے ایک تفریحی کھیل بن جاتی ہے، اسلئے اس کے ذریعہ سے اس کو پڑھنے کی ناگوار مصیبت سے بچایا جاسکتا ہے،

(۲) مصوری سے بچے کی قوت تمیز کو ترقی ہوتی ہے، بچہ جب حیوانات، نباتات اور جمادات کی تصویر کھینچتا ہے تو اس کو خواہ مخواہ ان کے مخصوص اوصاف و اقیفیت حاصل کرنی ہوتی ہے، اسلئے اس کے ذہن میں خود بخود ہر چیز کا تذکرہ شکل ہو جاتی ہے، لیکن تحریر و کتابت اس وقت معرّی ہے جب حروف مفردہ کی ترکیب کا طریقہ سیکھ جاتا ہے تو وہ ہزاروں نامعلوم چیزوں کے نام لکھ سکتا ہے، جن کو اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا،

(۳) مصوری سے خود بچے میں تحریر و کتابت کی مشق پیدا ہوتی ہے، بچہ جب تصویر بنانے کیلئے خطوط کھینچتا ہے تو اس کی انگلیوں میں خود بخود حرکت، تیزی، اور چستی پیدا ہو جاتی ہے جو اس کو نہایت آسانی کے ساتھ لکھنے کا مشاق بنا سکتی ہے،

مصوری کے بعد تحریر و کتابت کا درجہ ہے، لکھنا پڑھنا پرفطرتاً مقدم ہے یا کم از کم دونوں کو ایک ساتھ شروع کیا جاسکتا ہے، ایک مشہور عالم مدنی اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا کہ ایک روز اس نے ہندوستان میں چند شاہی طلباء کو دیکھا کہ ریگستان میں بالو پر کچھ لکھ رہے ہیں، اس نے یہ دیکھ کر پیشانی پر ہاتھ مارا اور بیباک بول اٹھا کہ میرا مقصد حاصل ہو گیا، خدا کی قسم ہی سیدنا سادہ طریقہ ہی ہندوؤں کے بچے چونکہ بہ نسبت تمدن یورپیوں کے شاہراہ فطرت چل رہے ہیں اسلئے انھوں نے پہلے لکھا پھر اس کو پڑھا، اس طریقہ میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بچہ ایک طرف تو لکھتا ہے دوسری طرف اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اسلئے ہاتھ اور دماغ دونوں ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں، بچہ پڑھنے سے اسلئے جان چراتا ہے کہ ایک ایسا لفظ لکھا جاتا ہے جو اس کو پہلے سے معلوم نہیں ہے، اسلئے لکھ کر پڑھنے میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ کون سا ہے،

# مسائل و فتاویٰ

## کیا عورتوں کے لیے سونیکا زیور پہننا جائز ہے؟

کیا عورتوں کے لیے سونے کا زیور پہننا جائز ہے؟ شاید اکثر لوگ اس سوال کو سن کر چونک اٹھیں گے، اور پوچھیں گے کہ کیا عورتوں کے لیے سونے کا زیور پہننا، اسلام میں کبھی ممنوع بھی تھا، کیا احادیث صحیحہ میں اس کی حرمت کی بھی کوئی روایت مروی ہے؟ کیا محدثین اور ائمہ دین میں اس کی حلت و حرمت کے متعلق اختلاف بھی ہے؟ لیکن ہم نہایت جرأت اور نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہیں گے کہ افسوس کہ جواب اثبات میں ہے، مولوی عبدالسلام صاحب ندوی نے ایک اردو رسالہ میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں اس کی حرمت کی حدیث نقل کی تھیں، علمائے عصر نے اس کے متعلق مخالف و موافق دونوں قسم کی رائیں دین، طلحائی زیور کی حلت و حرمت کا مسئلہ موجودہ خیالات کی پڑاؤ نہیں ہے، نہ مسلمانوں کے اقتصادی فوائد کو پیش نظر رکھ کر اس کے متعلق بحث کی جاتی ہے بلکہ نفسِ امارہ شرعیہ کا انہم استنباط مقصود ہے، دیگر تحریروں کے علاوہ مولوی محمد خالد صاحب انصاری بھوپالی جن کو فن حدیث سے خاص ذوق ہے اور یہ ذوق حرم نبوی کی مقدس درگاہ سے حاصل ہوا ہے، انہوں نے ایک مفصل تحریر بھی ہے،

قرآن مجید اس مسئلہ سے خالی ہے، کنایات سے اگر استدلال کیا جائے تو دونوں طرف کی آئین مساوی نکلیں گی، ایک طرف اگر شیخ اصناف کی بنا پر حرمت کا فتوہ دیا جائے تو دوسری طرف من حرمہ اللہ التي اخرجہا للناس سے اس کا جواز ثابت ہوگا،



احادیث بھی اسکی حلت و حرمت میں مختلف ہیں، اسی بنا پر فقہاء اور محدثین کی اس مسئلہ میں تین جماعتیں ہیں، ایک تو وہ جو عورتوں کے لیے مطلقاً سونے کا استعمال جائز کہتے، دوسری وہ جسکے نزدیک سونے کے معمولی اور نلکے زیور جائز ہیں، ٹھوس اور بھاری یا بڑے زیور نہیں، تیسری وہ جو اسکو مطلقاً حرام کہتی ہے،

ذیل کی سطروں میں مولوی صاحب مدوح، ہر فریق جن احادیث سے استدلال کرتا ہے، ان پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔

فریق اول | وہ روایت جس سے عورتوں کے لیے سونا پہننے کا جواز ثابت ہوتا ہے وہ اکثر طریقوں کے دلائل سے سنن اربعہ و دیگر کتب حدیث میں مروی ہے لیکن محققین نے کل طرق میں کام کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے تلخیص المجیر میں لکھا ہے کہ

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الذهب والحرير رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے متعلق ہذا احرامان علی ذکر امتی (الترمذی والنسائی) فرمایا کہ یہ میری امت کے مردوں پر حرام ہے جسکے ترمذی و احمد والطبرانی (حرم لباس الذهب والحرير نسائی، احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی کی علی ذکر امتی و احل لانا ثم لفظ الترمذی و روایت یوں ہے کہ سونا اور ریشم میری امت کے مردوں صحیح و هو عندنا من طریق سعید بن ابی ہند پر حرام کیا گیا ہے اور عورتوں کے لیے حلال اور ترمذی عن ابی موسیٰ الاشعری وقد قال ابو حاتم انہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور سعید بن ابی ہند کے لم یلقہ وقال الدارقطني فی العلل برویہ عبد اللہ طریق سے ابو موسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے جسکے تعلق بن سعید بن ابی ہند عن ابی موسیٰ و برویہ ابو حاتم کہتے ہیں کہ سعید کا سماع ابو موسیٰ سے ثابت نہیں نافع عن سعید بن ابی ہند و اختلف علی نافع دارقطنی نے علل میں کہا ہے کہ عبد اللہ بن سعید بن ابی ہند فرماؤا یوب و عبید اللہ بن عمر عن نافع عن سعید نے اپنے باپ سے انہوں نے ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے

مثلاً وروا عبد اللہ العمری عن نافع عن سعید۔

عن رجل عن ابی موسیٰ ویوید ہذا ان اسامة

بن زید روی عن سعید عن ابی ہریرۃ مولیٰ عقیل

عن ابی موسیٰ حدیثاً فی النہی عن اللعاب بالزرد

قال و سعید بن ابی ہند لم یسمع من ابی موسیٰ قلت

روایت یوب عند عبد الرزاق عن معمر عند

وقال ابن حبان فی صحیحہ حدیث سعید بن ابی

ہند عن ابی موسیٰ معلول لا یصح قلت و مشی

ابن جریر علی ظاہر الاسناد فصیح و هو معلول

بالانقطاع وقال الدارقطني فی علل رواہ یحییٰ

بن سلیم عن عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن

عمر قال دارقطني وقابله بقیۃ عن عبید اللہ

وایصح عن نافع عن سعید بن ابی ہند عن ابن موسیٰ

وقد روی طلق بن جلیب قال قلت لابی عمر سمعتہ

من النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی الحریر فینیدنا

قال لا قال فہذا یدل علی و هو بقیۃ و یحییٰ بن

سلیم فی اسنادہ و فی الباب عن علی ابن

ابی طالب رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی

و ابن ماجہ و ابن حبان من طریق عبد اللہ

عن سعید بن ابی ہند عن نافع عن سعید بن ابی ہند

عن سعید بن ابی ہند عن نافع عن سعید بن ابی ہند

ادریک روایت نافع کی سعید بن ابی ہند سے ہونے

کی روایت میں اختلاف ہے۔ ابوبکر اور عبید اللہ بن

عمر نے نافع سے انہوں نے سعید بن ابی ہند سے انہوں نے

کسی شخص سے اسے ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے اور اسکی

تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسامہ بن زید نے سعید بن ابی ہند

سے انہوں نے ابی ہریرۃ مولیٰ عقیل سے انہوں نے ابی موسیٰ سے

نزدکے کھیلنے کی ممانعت میں حدیث روایت کی ہے

دارقطنی کہتے ہیں کہ سعید بن ابی ہند نے ابی موسیٰ سے

کچھ نہیں سنا میں کتابوں کہ عبد الرزاق کی روایت معمر

سے اور پھر ابوبکر ہے اور ابن حبان نے اپنے صحیح

میں کہا ہے کہ سعید بن ابی ہند کی حدیث جو ابی موسیٰ

سے ہے معلول ہے جو کسی طرح صحیح نہیں میں کتابوں

کہ ابن جریر نے ظاہر اسناد کو دیکھ کر حدیث کو صحیح لکھ دیا حالانکہ

دارقطنی نے علل میں کہا ہے۔ دارقطنی نے علل میں کہا ہے

کہ یحییٰ بن سلیم نے عبد اللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے

انہوں نے ابن عمر سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے

دارقطنی یہ بھی کہتے ہیں کہ بقیۃ نے متابعت کی ہے اور

عبد اللہ سے روایت کی ہے اور صحیح طریقہ نافع سے انہوں نے

سعید بن ابی ہند سے انہوں نے ابی موسیٰ سے روایت کیا ہے

سعید بن ابی ہند سے انہوں نے ابی موسیٰ سے روایت کیا ہے

سعید بن ابی ہند سے انہوں نے ابی موسیٰ سے روایت کیا ہے

سعید بن ابی ہند سے انہوں نے ابی موسیٰ سے روایت کیا ہے



بن زید بن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ حریزاً فجعلہ  
 یمنہ واخذ ذہباً فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان سے ریشم کے متعلق کچھ سنا ہے انہوں نے کہا نہیں اس سے  
 ہذین حرام علی ذکور امتی نہ لدا بن ماجہ وہی صاف ظاہر ہے کہ بقیہ کو دہم ہوا اور یحییٰ بن سلیم بھی اسکی  
 حل لا نا ثم روین النسانی الاختلافات فیہ سندین اور اسی باب میں حضرت علی بن ابی طالب سے  
 علی بن زید بن ابی حبیب ورحم النسانی روایۃ بھی روایت ہے جسکو احمد اور ابو داؤد اور نسائی ابن ماجہ  
 ابن المبارک عن النبی عن زید بن ابی حبیب اور ابن حبان نے بطریق عبد اللہ بن زید حضرت علی  
 عن ابی الصعبۃ عن رجل من ہمدان یقال لہ افلم سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
 عن عبد اللہ بن زید قال کن قولہ افلم الصواب ریشم دانے ہاتھ میں لیا اور سونا بایں ہاتھ میں پھر فرمایا کہ یہ  
 فیہ ابوا فلیح قلت وھذا روایت احمد فی مسندہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ابن ماجہ نے اتنا  
 عن حجاج عن وھیب واللہ اعلم واعلم ابن زیادہ کیا کہ عورتوں کے لیے حلال ہے اور زید بن ابی حبیب  
 انھما بجمہالتحال روایت ما بین علی ویزید بن ابی روایت میں اختلافات بیان کئے ہیں اور ابن مبارک  
 ابی حبیب فاما عبد اللہ بن زید فقد وثقہ علی کی روایت جلیلہ اسنے زید بن ابی حبیب انھوں نے ابی صعبہ  
 وبن سعد واما ابوا فلیح فینظر فیہ واما بن ابی اسنے ہمدان کے ایک شخص سے جسکا نام فلیح ہے اسنے عبد اللہ بن زید  
 الصعبۃ فاسم عبد الغریز بن ابی الصعبۃ و یہ بھی کہا ہے کہ فلیح بجا ابوا فلیح صحیح ہے میں کتابوں پر روایت  
 روی البیہقی من حدیث عقبہ بن عامر نحوه و سند امام احمد میں بطریق حجاج از دہب اور ابن قطان کہا ہے اسکی  
 منظر فی اسنادہ فانہ من طریق یحییٰ بن ایوب اور زید بن ابی حبیب کے در بیان حدیث میں جمالت عبد اللہ بن زید  
 عن الحسن بن ثوبان و عمر بن الحارث عن ہشام کی توثیق علی اور ابن سعد کی ہے اور ابوا فلیح کا حال دیکھنا چاہیے ابن  
 بن ابی رقبہ سمعت مسلم بن مخلد یقول ابی الصعبہ کا نام عبد الغریز بن ابی الصعبہ ہے اور بقی نے عبد بن عامر  
 لعقبۃ بن عامر و قریبا خبر الناس ما سمعت من سے اس طرح روایت کی ہے اور اسکی سند قابل غور ہے کیونکہ وہ بزرگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال سمعتہ یحییٰ بن ایوب حسن بن ثوبان سے مروی ہے اور عمر بن الحارث  
 یقول الحریز والذہب حرام علی ذکور امتی اسناد نے ہشام ابن رقیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے مسلم بن مخلد کو سنا  
 حسن و ہشام لم یخیر جوالہما خرجہ بن یونس کہ وہ عقبہ بن عامر سے کہتے تھے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کیجئے جو کچھ آپ نے سمعہ  
 فی تاریخ مصر من طریقہ وروی البزازی والطبرانی سے سنا ہے انہوں نے کہا میں نے اسکا آپ فرمایا کہ سنا اور ریشم مرد پر  
 من حدیث قیس ابن ابی حازم عن عمر بن حوحدہ حرام ہے اسکی سند حسن ہے اور ہشام سے صحاح ستہ میں روایت  
 علی و فیہ عمر بن جریر البیہقی قال البزازی نہیں ہے اور ابن یونس نے ہی طرح سے تاریخ مصر میں روایت  
 الحدیث وروی ابن ماجہ والبزازی والبیہقی کیا ہے اور بزرگ اور طبرانی نے حدیث کو قیس بن ابی حازم سے  
 والطبرانی من حدیث عبد اللہ بن عمر بن حوحدہ عمر سے روایت کیا ہے مثل حدیث حضرت علی کے اور اسکی  
 ابوموسیٰ و فی اسنادہ الاخری وھو ضعیف سند میں عمر بن جریر بکلی ہے جبکہ بزرگ نے اسکی حدیث کہا ہے  
 ورواہ الطبرانی والعیلی وبن حبان فی الضعفاء اور ابن ماجہ اور بزرگ اور طبرانی نے عبد اللہ بن عمرو سے  
 من حدیث زید بن ارقم و فیہ ثابت بن زید مثل حدیث ابوموسیٰ روایت کی ہے اور اسکی سند میں ابی یوسف ضعیف  
 قال احمد مناکیر وقال ابن ابی شیبہ حدیثنا سعید اور طبرانی اور عقیلی اور ابن حبان ضعیف میں زید بن ارقم کی  
 بن سلمان ثنا عبد اللہ ثنا سعید بن زید بن ارقم حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں ثابت بن زید ضعیف ہیں امام  
 اخری ابنت بنت زید عن ابیہا رفعہ الذہب والحریز نے کہا کہ اسکی احادیث منکر ہیں اور ابن ابی شیبہ نے زید بن ارقم سے روایت  
 حل لا مات امتی حرام علی ذکورھا ابن زید ہوتا کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور ریشم ست کی عورت پر جائز کیا اور مرد پر  
 ورواہ الطبرانی من حدیث واثلہ بن الاشعث پر حرام اس میں بھی وہی ثابت بن زید ضعیف ہے اور طبرانی نے داؤد بن اشعث  
 نحوه واسنادہ مقارب ورواہ ایضاً ہوا البزازی عن سے روایت کیا ہے مگر اسکی سند مقارب ہے اور طبرانی اور بزرگ ابن عباس  
 ابن عباس بسند والا و بسند اخر وہی سند روایت کیا ہے مگر اسکی سند غور ہے اور اسکی سند بھی زیادہ غور ہے  
 غرض کہ یہ روایت آہل طریقوں سے ہے جو سب ہی ضعیف ہیں یہ تو مرفوع احادیث کا حال اب ہم آثار صحابہ



بھی کہتے ہیں۔ بخاری نے باب میں لکھا ہے

باب الخاتمة للنساء وكان لعائشة خواتم من الذهب عورتون كلبية انگوٹھی اور حضرت عائشہ کیلئے سوئی انگوٹھیاں تھیں  
حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن سعد نے اس روایت کو واصل کیا ہے۔

عن عمر بن ابی عمر مولى المطلب قال سألت الفاسم عمر بن ابی عمر کہتے ہیں میں نے قاسم بن محمد سے سنا کہ دو گنا  
بن محمد ان اناسا بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوئے  
علیہ والہ وسلم نفی عن الاحمر بن المعصم اللہ  
فقال کذبوا واللہ لقد رأیت عائشہ تبس المعصم  
وتبیس خوا یتما الذہب،  
سونے کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کچھ لوگ ضرور اس کے قائل تھے کہ عورتوں کے لیے سونا پہننا ناجائز ہے۔ اور اس سے جواز بھی ثابت ہوتا ہے مگر اسکے راوی عمرو بن ابی عمرو بن محمد ثنین نے کلام کیا ہے چنانچہ ذہبی لکھتے ہیں۔

قال ابو حاتم لا باس به وروى عباس عن يحيى  
ابو حاتم نے کہا اس میں کچھ نقصان نہیں عباس نے یحییٰ سے روایت  
لا یحتمل یحدث وقال فی موضع آخر من کتاب عباس کیا کہ انکی حدیث سے احتجاج کیا جائے اور دوسری جگہ ضعیف  
لتضعیف وکان ما لک یروی عنہ وروى عثمان<sup>ن</sup> کہا اور عثمان نے یحییٰ سے روایت کیا کہ وہ قوی نہیں  
بن سعید عن یحییٰ لیس بالقوی وقال الجوزجانی<sup>ن</sup> اور جوزجانی نے مضطرب الحدیث کہا اور نسائی نے  
مضطرب الحدیث وقال النسائی لیس بالقوی اکما وہ قوی نہیں۔

ابن سعد کی دوسری روایت،

اخبرنا محمد مصعب المقرانی قال حدثني اُمّ مریہ الخنقیہ | حضرت انس کی صاحبزادی حفصہ کہتی ہیں  
 امراة من اهل البصرة قالت سمعت حفصہ بنت اُمّ مریہ الخنقیہ | کہ ہمارے والدہ کو سونا اور ریشم

بن مالک نقول کان ابی تحلینا الذهب وکیسوا الحیث یبنا تے تھے  
محدثین مصعب میں بھی محدثین نے کلام کیا ہے ذہبی لکھتے ہیں۔

محمد بن مصعب بن ابی ساریہ | ابو حاتم نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں ضاعی نے ضعیف کہا کہ  
قال ابو حاتم لم یس بالاقوی وقال للنسائی ضعیف | اور خطیب نے کہا کیونکہ اپنی یاد بخیر روایت کرتے تھے اس لیے کثیر الغلط ہیں  
وقال الخطیب کثیر الغلط لحدیثه من حفظه | حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں دو تین روایتیں کی ہیں جو درحقیقت صحیح ہیں  
عن ابن عمر انه کان یجلی بناة وجه اریه | حضرت ابن عمر اپنی صاحبزادیوں اور نوٹڈیوں کو سونا پہنتے  
الذہب ثم لا یخرج منه الزکاة | تھے اور زکوٰۃ نہ دیتے تھے

عن اسماء بنت ابی بکر انھا کانت تحلی بناتھا  
بالذهب ولا تزکی نحواً من خمسين الفاً  
ثم اخبر ابو حنیفہ عن عمرو بن ابناء عایشہ  
قلت اخواتھا یا الذھب وابن عمر حلی بناتہ  
بالذھب قال محمد وبہ فاخذہ وھو قول ابی حنیفہ کا ہے۔

ان روایات سے سونے کا استعمال ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی کہ زیورین بالکل زکوٰۃ نہیں کیونکہ یہ  
مسئلہ اس بحث سے جدا ہے ہم اسکے متعلق بالفعل کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔

یہ سب وہ روایات ہیں جن سے سونا پہننے کو جائز کہا جاتا ہے اور فقہاء کا مذہب بھی یہی ہے،

محمد اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم انه قال  
ابراہیم کہتے ہیں عورتوں کو ریشم اور سونا استعمال  
کرنا مین کچھ مضائقہ نہیں امام محمد کہتے ہیں یہی ہمارا  
وہو قول ابی حنیفہ۔  
اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

له كتاب الامم، وله دارقطني، وله كتاب الاثمار



قال الشافعي والمراة ان تتحلى ذهابا وورقا ولا تجنب | حضرت امام شافعی فرماتے ہیں عورت سونے اور چاندی کا  
علیہا الزکوة، | زیور استعمال کرے اور اسکی زکوٰۃ دے،

اور یہی مذہب امام مالک کا ہے

دوسرے فریق کے دلائل ایک روایت جو سونا نہ کرنے کے استعمال کرنے کو جائز بتاتی ہے وہ یہ ہے ابو شیحہ سے روایت ہے  
کہ امیر معاویہ صحابہ کے ایک مجمع میں کہا کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے استعمال کی ممانعت فرمائی  
بجز اس کے کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیے جائیں سب کہا بیشک اس کے راوی اول ابو شیحہ سنہائی مہول ہے دوسرا ابوقلابہ جبکہ امام عبد  
بن محمد بن ضعیف، ابوقلابہ کا شاگرد میمون القباد بھی معروف راویوں میں نہیں اور ذہبی اس حدیث کو منکر کہتے ہیں چنانچہ  
وہ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں "میمون قباد بصری ابن مسیب اور ابی قلابہ سے روایت کرتا ہے اور اس خالہ اور اس نے حدیث  
لی ہے امام احمد کہتے ہیں کہ غیر معروف ہے میں نے کہا اسکی روایت امیر معاویہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑے اور سونے پہنے  
سے منع فرمایا البتہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے استعمال کی جائیں ابن حبان میمون کی توثیق کی ہے مگر یہ حدیث منکر ہے یعنی مردود اور  
غیر مقبول ہے اسی روایت کو ابو شیحہ نے اپنے بھائی حاکم بھی روایت کی ہے مگر اس روایت میں اختلاف نہیں حکم مطلق ہے  
کہ سونا پہننے کی ممانعت فرمائی ذہبی حاکم متعلق لکھتے ہیں "حاکم نے معاویہ سے ممانعت سونے میں روایت کی ابو شیحہ سنہائی  
آپ کے بھائی اس متفقہ میں بعضے حاکم زہری سے بعضے پیش سے اور بعضے حاکم کہتے ہیں اور بعضے حماد اور بعضے ابو حجاز کہتے ہیں  
اور کہا جاتا ہے کہ عمران میں کچھ پہن نہیں کہ یہ کون شخص ہیں غرض کہ یہ بھی مجہول الحال ہیں

امیر معاویہ سے البتہ ایک تیسری روایت سند احمد میں صحیح طریقہ سے مروی ہے جس کے تمام راوی معتبر ہیں

عن علی بن عبد اللہ بن علی بن ابیہ اندیمع معاویہ بن خطاب علی ابن عبد اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ امیر معاویہ  
فی خل الکعبۃ وهو یقول فیہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کعبہ کے سائے میں خطبہ پڑھا جس میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
والسوسلہ من حلی الذهب ولبس الحریر، سونے کے زیور اور ریشم کو منع فرمایا۔

لیکن اس روایت میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں اس لیے حکم عام ہوگا اور اس ممانعت میں عورت بھی داخل ہوگی۔

## ایسی

عربی میں شعرا کے دو طبقے ہیں کثیرین اور مقلین، کثیرین وہ ہیں جنہوں نے شاعری کو پیشہ  
بنالیا ہے اور کئی کئی ضخیم دیوانوں کے مصنف ہیں اور اب اردو کے رسالوں میں انکی غزلیں عام طور  
لوگ پڑھتے ہیں

ذیل کے صفحات میں چند غزلیں ہندوستان کے شعرا مقلین کی ہیں جو نثر نگاری اور انشا پردازی کے  
لحاظ سے ملک میں ممتاز ہیں، لیکن ایک شاعر کی حیثیت سے ملک میں نہیں آئے ہیں پہلی غزل  
اس شخص کی ہے جسکو لوگ محمد علی (ایڈیٹر کامریڈ) کہتے ہیں، ہم انکو حضرت جوہر کے نام سے پیش  
کرتے ہیں دوسری غزل حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خان کی ہے انکو طاہر کے نام سے  
پہلاک میں متعارف کراتے ہیں، چوتھی غزل مسٹر ناظمی۔ اے کی ہے، ناظمی انکو اچھی طرح  
جانتے ہیں، اردو کے ایک بڑے فلسفی مصنف ہیں، لیکن بزم شاعری میں ناظر کی مصدوعی صورت  
سوا اعلیٰ صورت میں آنا منظور نہیں کرتے۔

دیکھو گائیٹوں صاحبوں کے تخلص کا ضروری عنصر ہے، واللہ اعلم بالصواب اس میں  
کیا راز ہے، بندوں کے لئے فطرت کے راز ہمارے سرسبز کو کہو لٹا ایک بیسود عمل ہے

"تم خداوندی کہلاؤ خدا اور سہی"

غور جو یہ تھوڑی سی جفا اور سہی اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی

خوف نما زدنالت کا خطرہ دار کا ڈر میں جہاں اتنے دہان خوف خدا اور سہی

رب عزت کے لئے بھی کوئی رہنے دو خطا "تم خداوندی کہلاؤ خدا اور سہی"

کشور کفر میں کعبہ کو بھی شامل کر لو سیر کے واسطے تھوڑی سی نصیب اور سہی



دل دین جاہی چکا جان بھی جانی ہو چکا  
 ترکش نازین اک تیر قضا اور سہی  
 حکم حاکم نہ سہی مرگ مفاجات سے کم  
 ملک الموت پیامان کی سزا اور سہی  
 ہم وفا کیشون کا ایمان بھی ہیروانہ صفت  
 شمع محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی  
 جس نے ہنگامہ عدالت کا تری دیکھا ہے  
 اس گنگا کو اک روز جزا اور سہی  
 عہد اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو  
 تم وفا دار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی

(۲)

”بڑھتا ہی اور زوق گنہ یان سزا کے بعد“

دور حیات آئین کا قاتل تھنا کے بعد  
 ہے ابتدا ہاری تری انتہا کے بعد  
 قتل حسین چل میں مرگ یزید ہے  
 اسلام زندہ ہوتا ہی ہر کر بلا کے بعد  
 اک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا نخل  
 بل من مزید کتی ہی رحمت دعا کے بعد  
 تجھے مقابلہ کی کسے تاب ہووے  
 میرا بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد  
 لذت ہنونا مدہ عشق میں نہیں  
 آتا ہی لطف جرم تناسل کے بعد  
 ممکن ہی نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر  
 ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد  
 غیروں کے ساتھ ہے الگ حیف الگ  
 یہ عجایب ان بھی ہوں غلہ جیا کے بعد  
 کیا زندگی وہ چین کوئی آرزو ہو  
 رہتی ہی موت ہی دل لے جا کے بعد  
 ہی کسکے بل حضرت جو ہر یہ روکشی  
 ڈھونڈھینگے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

(۳)

جنون اسے دل بانداز نگاہ یاری باید  
 براے شور وستی ہم دل ہشیاری باید  
 اگر یک گل ترا بر طرہ دستاری باید  
 نخستین فدا لطف اندوزی صحنہ یاری باید

میان ما دشمن فرق کردی اعتراض است  
 نمی گویم ترا از یوفائی عاری باید  
 ندیدار تو آسان است و نی در وعدہ البائی  
 مگر بر تری وعدہ دیدار می باید  
 شدن با گل خان ہم بر غم و از قید خرد جستن  
 نمی باید وے فصل گل کی باری باید  
 نمی فدا اشارت محبت بے وفا بنود  
 نہفتن راز لغت تاب کے اظہار می باید  
 بگرد گرداد و وارہ قدم بیرون نہ مگر اوارہ  
 بیاس عاشق آو گردش پر کاری باید  
 ندانم امتیاز بوسہ و دشنام سرمستم  
 ہی خواہم کہ ہان می باید و بسیاری باید  
 تو کار خویش کن طاسہ ز قیس و کوہن گذر  
 این فسانہ آخر خیر و کاری باید

(۴)

آہ منت کش اثر نہ ہونی  
 شب غم کی کبھی سحر ہونی  
 نہ ہونی ہم سے ترک خوے وفا  
 ہم نے چاہا کہ ہو، مگر ہونی  
 غلط انداز کتنی ہے وہ نظر  
 آج تک میرے حال پر ہونی  
 اس قدر محویت، معاذ اللہ  
 انکے آنے کی بھی خبر ہونی  
 راز لغت کسی پہ کھل نہ سکا  
 دشت شوق پرودہ ورنہ ہونی  
 کس قدر ہے غیور میری دعا  
 کبھی شرمندہ اثر ہونی  
 ہم گدایان عشق کو ناظر  
 فکر اطفاب اہل زرہ ہونی

ایک بزرگ کے جواب میں جنہوں نے خاکسار (ایڈیٹر) کی مبالغہ آمیز تعریف کی تھی، لکھا گیا،  
 انسان وہ ہی جو سب کو انسان سمجھے  
 سائل جو کوئی اسے بھی سلطان سمجھے  
 اجاب کے من ظن کامنوں ہوں میں  
 جو مضمیف کو سلیمان سمجھے



## خطاب بہ احرار

## ایک مرکز کی ضرورت

مولانا شبلی کا اردو غیر مطبوعہ کلام

یہ جو لیڈر شکنی آپ نے کی ذب کیا  
لوگ اب حلقہ تقلیدین ہونگے نہ اسیر  
ہاں مگر ایک گزارش بھی ہے قابل غور  
تکدے آپ نے ڈھائے بہت اچھا لیکن  
اگر قابل نشتر تھا یہ مانا لیکن  
آپ کہتے ہیں کہ وہ مجمع ناجائز رہتا  
اب کوئی مرکز قومی ہے نہ توحید خیال  
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازہ قوم  
ذرتے طرح سے ہوجاتے ہیں آڑاڑ کے فنا  
نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا  
ہاں پر زور ہے لیکن کوئی انجن بھی تو ہو

## کلام وحید

سرین تھا اب تو سربازار سودا ہو گیا  
دید بازی کی حقیقت جو تھی آخر کھل گئی  
تھے ابھی کل تک کرتے ہوش کی باتیں وحید  
پاس اب کس کار با جب راز افشا ہو گیا  
یہ فقط دیتیلیون کا تھا تا شا ہو گیا  
نخت حیرت ہے کہ شب بھر میں تہین کیا گیا

## اہنگنا

تاراج فنا سے ہو گا باغ ہستی  
خالی ہو جائیگا ایاغ ہستی  
انفاس کی آندھیلوں کدن محشر  
بجھ جائیگا دیکھنا اچراغ ہستی  
پامال فنا بہا ہستی ہو گی  
حسرت اک لاش پر ہستی ہو گی  
روئے سب ہو یاد کر کر کے بہین  
لیکن ہر دم موت ہستی ہو گی  
لطیف سے عیش کا مرانی دیکھا  
دیکھا! کیوں نگ بزم فانی دیکھا  
اک تودہ خاک پر فنا کستی ہے  
"غافل! انجام زندگانی دیکھا  
یہ عیش نشاط و خود پرستی کبتک  
یہ بادہ بخودی کی مستی کبتک  
تو موت کو اس طرح رہی بھولی  
کبتک کبتک دلیل مستی کبتک  
ای شہر خوشاں گزرنے والے  
انجام کی کچھ فکر نہ کرنے والے  
سُن لے سُن لے ذرا شہر جاسُن لے  
تجسس کچھ کھ رہے ہیں مرنے والے  
ای شور نشاط جان پرستی خاموش  
کبتک تو دیکھا کہ ہستی خاموش  
سُن! موت نے نعمہ فنا چھوڑ دیا  
بس بس خاموش ساز ہستی خاموش  
پیغام فنا تجھے سنانے آئی  
ہستی تری خاک میں ملا آئی  
اد مرگ فراموش! فراموش میں آ  
اور دیکھا جل تجھے بلانے آئی  
کیوں موت کے نام سے پریشانی ہے  
یہ خوف و ہراس اور حیرانی ہے  
جوراء نما ہوا سن کی دنیا کا  
اسکو نہ سمجھ کہ دشمن جانی ہے



## مولانا شبلی کا فارسی غیر مطبوع کلام

(۱)

تا نرس تو عربدہ انگیز نہ بودہ است  
این ملک حسن بلاخیز نہ بودہ است  
بنو عجب اگر کم در آمنت به اغیار  
تو خیکہ باینز کم آیز نہ بودہ است  
واعظا اگر کار به لعل لبش افتاد  
زین گو نہ حدیث تو دلا دیز نہ بودہ است  
دام کہ بہار چین "بہی" امسال  
بر عادت پیشینہ جن خیر نہ بودہ است  
بر چند غلط نیست کہ شبلی دین باخت  
این حرف دے صلحت آیز نہ بودہ است

(۲)

اے کہ گفتی! رہ در ہم تو نہ این می باید  
ما ہمیں کہ ہستیم وہیں می باید  
ہاں بیا تا کم از بوسہ نشان برب تو  
شاہ حسنی و ترا نقش فکین می باید  
از تو بوسہ و آغوش تسلی نشوم  
شب وصل است و بسا مان تاین می باید  
لطف با تہر در آہمختہ در کاواست  
خندہ برب چلے بہ جبین می باید  
عرشیاں را بتوان گفت شب وصل من  
کاشم گوشہ از عرش برین می باید  
غیر از حرف بدے گفت بہ خرسندی من  
دین نہ است کہ بر شوہ بکین می باید  
شبلیا گیسٹ؟ کرد و ادخن می خواہی؟  
گر نظیری بود شیخ حزین می باید

جولائی ۱۹۱۱ء

گرم آہختن، گرم جوشی سے ملنا،

## مطبوعہ جدید

دیوان فرد، حضرت فروالادلیا شاہ ابوالحسن پهلواروی المتوفی ۱۲۶۵ھ قدس اللہ سرہ  
خانقاہ شریف پهلواروی کے ایک سجادہ نشین بزرگ تھے جو اپنے زمانہ کے حقیقت دان صوفی  
اور ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ فارسی کے بہت بڑے شاعر بھی تھے متعدد مسائل میں  
مولانا شاہ اسماعیل شہید سے ان کے زبانی مناظرے بھی ہوئے تھے، انکی غزلیں پورے اہل حال صوفیوں  
میں نہایت مقبول ہیں، اور سچ یہ ہے کہ جوش بیان اور شیرینی گفتار میں حافظ کی غزلوں سے انکی  
غزلیں پہلو مارتی ہیں، تاہم قند پارسی اور شکر ہندی میں جو فرق ہو اسکی نفی کون کر سکتا ہے لیکن فرق  
اس قدر خفیف ہے کہ ہر قوت ذائقہ اسکو آبسانی محسوس بھی نہیں کر سکتی، غزلوں میں عام انسانی عشق و محبت  
کی داستانیں نہیں ہیں بلکہ مصرع مصرع سے حقیقت دانی معرفت نامہ اور عشق تحقیقی کی تڑپ ظاہر ہوتی ہے  
موت ہوئی کہ یہ پورا دیوان کلکتہ کے ٹائپ میں چھپا تھا، اب حکیم مولوی محمد شعیب صاحب  
جعفری، پهلواروی نے مطبع انتظامی کا پندہ میں نہایت خوشخط و دو فزون میں چھپوایا ہے، شائقین  
حکیم صاحب پهلواروی ضلع پٹنہ کے پتہ سے طلب فرمائیں، ضخامت ۸۹۲ صفحہ قیمت للحد  
تذکرۃ الشعراء، فارسی شعرا کی بہ ترتیب حروف تہجی ایک فہرست ہے، مقابل کے خانوں میں  
انکے سین اور حاشیہ میں انکے مختصر حالات لکھے گئے ہیں، کالجوں کے فارسی طلبہ کیلئے غالباً مفید  
پتہ: علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، ضخامت ۱۲۶ صفحہ قیمت ۱۲۶، طبع اعلیٰ، کاغذ متوسط،

مختارات الصوفیہ، شیخ محمد باقی مدنی نے المنح المدینہ کے نام سے عربی میں ایک رسالہ  
لکھا تا جبین طریقت و شریعت کی حقیقت واضح کی گئی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف جسکا ماخذ  
مشکوٰۃ نبوت ہنو، باطل ہے، مطبع انسٹیٹیوٹ گزٹ علی گڑھ نے اسکا اردو ترجمہ مختارات الصوفیہ کے



نام سے شائع کیا ہی، قیمت ۱۲، طبع دکان متوسط،

نقاد، اردو ادب کا ایک رسالہ جو چند سال پہلے شاہ دلیگیر آبادی کی ایڈیٹری میں آگرہ سے شائع ہوتا تھا، اب دوبارہ شائع ہونے لگا ہی، رسالہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے اپنا ایک معیار متعین کر لیا ہے، اور اس کے خلاف ہنرین چلنا چاہتا، اردوہ اردو زبان میں ادبیات لطیفہ (الٹ لکچر) کی ترقی و اشاعت ہے، نقاد کو اپنے مقصد میں ناکامی کا طعن پہلے بھی کوئی ہنرین دلیکنا تھا، اور اب تو اردو ہنرین کہ اس کی دوبارہ پیدائش، جنس لطیف کی ایک بانو سے محرم کی ہنرین ہی، یہ اعتراض صحیح ہنرین ہی کہ اس قسم کے ادبیات سے ہر کوئی علمی و دماغی فائدہ ہنرین پھونچتا کہ اس باغ ہستی کی ہر چیز کھانیکے لئے ہنرین ہی بلکہ کچھ دیکھنے اور سونگھنے کے لئے بھی ہے،

طبع اعلیٰ، کاغذ متوسط، ضخامت ۵۰ صفحہ، قیمت ۱۰۰

گلچین، اس نام سے پہلے منشی امیر احمد صاحب مرحوم دینیائی ایک گلدستہ نکالتے تھے، جو اس زمانہ کے شعراء میں نہایت مقبول تھا، منشی صاحب مرحوم کے تلامذہ میں جناب سید ریاض احمد ریاض کا نام محتاج تعارف ہنرین، استاد کی یادگار میں رسالہ کو اسی قدیم نام سے انھوں نے دوبارہ زندہ کیا ہی، ابتدا میں کچھ نثر مضامین اور آخر میں شعراء کی طرحی غزلیں ہوتی ہیں، ضخامت ۲۴ صفحہ، طبع دکان متوسط، قیمت ۱۰۰ سال، دفتر گلچین سیتاپور،

موتیوں کی لڑی، مولوی عبدالمبین صاحب متین تجاروی مصنف کتب عدیدہ و ترجمہ مجتہد فلاسفی نے پنجاب یونیورسٹی کے نصاب کے عربی رسالہ سلم الادب کے منظوم حصہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، بہتر یہ کہ مولوی صاحب اس سے کوئی زیادہ مفید کام انجام دیتے، اس میں جو اشعار حضرت علیؑ کی طرف منسوب ہیں، وہ حضرت علیؑ تو کیا کسی عامی عرب کا کلام بھی ہنرین ہو سکتا،

مجلد اول

بابت ماہ شعبان ۱۳۳۵ھ مطابق جون ۱۹۱۶ء

عدد و وارڈم

مضامین

- |                               |         |
|-------------------------------|---------|
| (۱) شذرات                     | ۲ - ۲   |
| (۲) اہل السنۃ و الجماعہ       | ۱۶ - ۵  |
| (۳) تصورات کلیہ               | ۲۶ - ۱۶ |
| (۴) اشتراکیت اور فوضویت       | ۲۶ - ۲۶ |
| (۵) حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ | ۲۳ - ۲۳ |
| (۶) اکبر کا سنجیدہ کلام       | ۵۳ - ۲۲ |
| (۷) ادبیات (مناظرہ شعری)      | ۵۶ - ۵۶ |

اسلام

یہ معارف کا بارہواں نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے، آئندہ جولائی ۱۳۳۵ء کا پرچہ ان حضرات کی خدمت میں جو جون ۱۳۳۵ء سے خریدار ہیں دی پی بیجا جاویگا، گواہان کے بعد بھی خریداران اپنے فرائض کو احساس نہ کرنا کہ عدا یا تغافل شکاری سے دفتر کو نقصان پہنچاتے ہیں تاہم لانا اعمالنا و لکھا اعمالکم

”منبر“

انقلابِ لام

مولانا عبد السلام ندوی

یعنی قوموں کی ترقی و تنزل کا فلسفہ، طبع دکان اعلیٰ، قیمت ۱۰۰

مضمون مولانا ندوی کے بارے میں شری